دوزخیوں کے کھانے

قرآن کریم کی سورۃ المزمل میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا (۱۲) وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا (۱۳)

ہمارے ہاں یہاں بیڑیاں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔(سورۃ المزمل)

اسی طرح سورۃ الغاشیہ میں ارشاد ہے

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ (۶) لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ (۷)

ان دوزخیوں کو کانٹے دار جھاڑی کے اور کوئی کھانا نصیب نہیں ہو گا، جو کھانے والوں کو موٹا کرے گا اور نہ ہی ان کی بھوک مٹائے گی۔(سورۃ الغاشیہ)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ طعاما ذا غصہ ایسا کانٹا ہے جو حلق کو چمٹ جائے گا، نیچے اترے گا اور نہ ہی باہر نکلے گا۔

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

يُلْقَى عَلَى أَهْلِ النَّارِ الجُوعُ فَيَعْدِلُ مَا هُمْ فِيهِ مِنَ العَذَابِ فَيَسْتَغِيثُونَ فَيُغَاثُونَ بِطَعَامٍ مِنْ ضَرِيعٍ لاَ يُسْمِنُ وَلاَ يُغْنِي مِنْ جُوعٍ، فَيَسْتَغِيثُونَ بِالطَّعَامِ فَيُغَاثُونَ بِطَعَامٍ ذِي غُصَّةٍ، فَيَذْكُرُونَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُجِيزُونَ الغَصَصَ فِي الدُّنْيَا بِالشَّرَابِ فَيَسْتَغِيثُونَ بِالشَّرَابِ فَيُرْفَعُ إِلَيْهِمُ الحَمِيمُ بِكَلاَلِيبِ الحَدِيدِ، فَإِذَا دَنَتْ مِنْ وُجُوهِهِمْ شَوَتْ وُجُوهَهُمْ، فَإِذَا دَخَلَتْ بُطُونَهُمْ قَطَّعَتْ مَا فِي بُطُونِهِمْ(ترمذی)

جہنم والوں پر بھوک کا عذاب مسلط کیا جائے گا، جو ان کے عذاب جہنم کے برابر سخت ہو جائے گا، تو وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد کانٹے دار جھاڑی کے کھانے سے کی جائے گی ، جو انہیں موٹا کریں گے اور نہ ہی ان کی بھوک کو مٹائے گا، پھر دوبارہ کھانے کی فریاد کریں گے تو طعام ذی غصہ کے ساتھ ان کی فریاد رسی کی جائے گی، تو انہیں یاد آئے گا کہ

ہم دنیا میں گلو گیر کھانے کو پانی کے ساتھ نیچے اتارتے تھے تو وہ پانی مانگیں گے تو انہیں لوہے کے کنڈوں میں کھولتا ابلتا ہوا پانی دیا جائے گا، جب وہ پانی ان کے مونہوں کے قریب ہو گا تو ان کے چہروں کو بھون ڈالے گا اور جب ان کے پیٹ میں پہنچے گا تو جو کچھ ان کے پیٹ میں ہو گا اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ الحاقہ میں ارشاد فرمایا کہ

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ (۳۵) وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ (۳۶) (الحاقہ)

کوئی کھانے کی چیز ان کو نصیب نہیں ہو گی، سوائے دوزخیوں کے دھواں (پیپ) کے یعنی بجز ایک ایسی چیز کے جو کراہت وصورت میں مثل غسلین کے ہو گی جس سے زخم دھوئے گئے ہوں، اس سے مقصد یہ ہے کہ انہیں مرغوب کھانے نہیں ملیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ غسلین کا مفہوم دوزخیوں کی پیپ ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ غسلین وہ خون اور پانی ہے جو دوزخیوں کے گوشت سے بہے گا اور یہی انہیں کھانے کے لیے دیا جائے گا۔

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ جب پیپ اور خون جسم سے نکلے گا تو دوزخی اس کی طرف اس کو کھانے کے لیے جلدی سے لپکیں گے، پہلے اس کے کہ اسے آگ نہ کھا جائے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ غسلین کھانوں میں سے بدترین کھانا ہو گا۔

یحیٰ بن سلام کہتے ہیں کہ غسلین دوزخیوں کے پیٹ کا دھون ہو گا۔

حضرت کعبؒ فرماتے ہیں کہ اگر غسلین کا ایک ڈول مشرق میں پھینکا جائے تو اس کی تپش سے مغرب میں رہنے والوں کی کھوپڑیاں ابلنے لگیں۔ (التخویف من النار)

بعض دوزخی تو ایسے ہوں گے جو اپنے ہی گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے۔

سورۃ الواقعہ میں دوزخیوں کے لیے فرمایا گیا کہ انہیں کھولتا اور ابلتا ہوا پانی پینا پڑے گا۔

سورۃ محمد میں فرمایا گیا کہ انہیں کھولتا اور ابلتا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا تو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

سورۃ نباء میں ارشاد ہے

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا (۲۴) إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا (۲۵)

جہنم والے اس جہنم میں کسی قسم کی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ ہی پینے کی چیز کا، جس سے پیاس بجھے سوائے گرم پانی اور پیپ کے۔

یہاں سورۃ ص میں واضح فرمایا گیا کہ

یہ کھولتا ابلتا ہوا پانی اور پیپ موجود ہے سو یہ لوگ اسے چکھیں گے اور اس کے علاوہ اور بھی اس قسم کی ناگوار اور موجب آزار طرح طرح کی چیزیں موجود ہیں۔

سورۃ ابراہیم میں فرمایا کہ

وَيُسْقَى مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ (۱۶) يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ (ابراہیم)

اور اس کو دوزخ میں ایسا پانی پینے کو دیا جائے گا جو کہ پیپ کے اور لہو کے مشابہ ہو گا جس کو غایت تشنگی کی وجہ سے گھونٹ گھونٹ کر کے پیوے گا اور غایت حرارت اور کراہت کی وجہ سے گلے سے آسانی کے ساتھ اتارنے کی کوئی صورت نہ ہو گی۔

سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا

اور اگر پیاس سے فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو مکروہ صورت ہونے میں تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو گا اور تیز گرم ایسا ہو گا کہ پاس لاتے ہی مونہوں کو بھون ڈالے گا، یہاں تک کہ چہرے کی کھال اتر کر گر پڑے گی کیا ہی برا پانی ہو گا اور دوزخ بھی کیا ہی بری جگہ ہو گی۔ (سورۃ الکہف ۲۹)

علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے التخویف من النار میں لکھا کہ دوزخیوں کو پینے کے چار قسم کا پانی ملے گا، ان میں پہلی قسم کھولتا ہوا پانی، دوسری قسم غساق، تیسری قسم صدید، چوتھی قسم تیل کی تلچھٹ جیسا پانی۔

حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ کھولتا ابلتا ہوا پانی جو دوزخ والوں کو پلایا جائے گا یہ تب سے جوش مار رہا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور اس وقت تک جوش مارتا رہے گا یہاں تک کہ اسے دوزخیوں کو پلایا اور ان کے سروں پر پلٹا جائے۔

ابن زید فرماتے ہیں کہ

حمیم وہ پانی ہے جو دوزخیوں کی آنکھوں سے جہنم میں نکلے گا اور حوضوں میں جمع ہو گا یہی ان کو پلایا جائے گا۔

قرآن کریم کی سورۃ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے اس گرم پانی کے لیے حمیم آن کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس کی وضاحت اور تفسیر کرتے ہوئے حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ

وہ چیز جو حرارت میں انتہاء کو پہنچ جائے اس کے بعد حرارت کے بڑھنے کا کوئی امکان نہ ہو تو عرب والے اسے حمیم آن سے تعبیر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو من عین آنیہ فرمایا ہے، اس گرم چشمہ کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت سے بھڑکایا ہوا ہے، جب سے جہنم کو پیدا فرمایا ہے، اس کی گرمی انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ غساق وہ پیپ ہے جو کافر کی جلد اور گوشت کے درمیان سے بہے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ غساق وہ غلیظ پیپ ہے اگر اس کا ایک قطرہ مغرب میں بہایا جائے تو مشرق والوں کو بدبودار کر دے اور اگر مشرق میں بہایا جائے تو وہ مغرب والوں کو بدبودار کر دے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ غساق وہ پیپ ہے کہ اس کی سخت ٹھنڈک کی وجہ سے اس کے صرف چکھنے کی بھی طاقت نہیں ہو گی۔

جہنم والوں کو صدید پلائی جائے گی، جو آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے جائے پاخانہ سے گزر جائے گی، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ دوزخ والوں کو پیپ پلائی جائے گی جسے وہ گھونٹ گھونٹ کرکے پیئیں گے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی ترمذی میں روایت ہے، جو ویسقیٰ من ماء صدید یتجرعہ کی تفسیر کرتی ہے

يُقَرَّبُ إِلَيْهِ فيَتَكرّهه، فَإِذَا قُرِّبَ مِنْهُ شَوَى وجهَه وَوَقَعَتْ فروةُ رَأْسِهِ، فَإِذَا شَرِبَهُ قَطَّعَ أَمْعَاءَهُ، يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: {وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ}(تفسیرابن کثیر)

کافر اسے اپنے منہ کے قریب کرے گا اور اس سے اپنا منہ لگائے گا پس جب اسے قریب لائے گا تو اس کا منہ بھون دیا جائے گا، اور اس کے سر کی کھال گر پڑے گی، پس جب اسے پیئے گا تو اس کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا، یہاں تک کہ اس کی جائے پائخانہ سے گزر جائے گا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انہیں کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے گا، جو ان کی انتڑیوں کو ریزہ ریزہ کردے گا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد اسی پیپ جیسے پانی سے کی جائے گی جو چہروں کو بھون ڈالے گا اور یہ برا پینا ہو گا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جہنم میں پیپ کی کچھ وادیاں ہیں، ان سے پیپ کو کوزوں میں ڈالا جائے گا پھر مونہوں پر پلٹا جائے گا۔(تخویف من النار)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

إِنَّ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا طِينَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ: «عَرَقُ أَهْلِ النَّارِ» أَوْ «عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ(مسلم)

اللہ تعالیٰ پر (اس کی اپنی مرضی سے) یہ بات لازم ہے اس آدمی کے لیے جو نشہ کی چیزوں کو پیئے گا تو اللہ تعالیٰ اسے طینۃ الخبال سے ضرور پلائیں گے، صحابہ نے پوچھا، یارسول اللہ! یہ طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ دوزخیوں کا پسینہ یا ان کا نچوڑ ہو گا۔

مسلم شریف کی اس روایت میں طینۃ الخبال کے الفاظ آئے ہیں، جب کہ مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں طینۃ الخبال کی جگہ طینۃ النہر کے الفاظ آئے ہیں، کہ یہ دوزخیوں کی پیپ کی نہر ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا

مَن مَاتَ وَهوَ مُدمِنُ خَمر، سَقَاهُ اللّٰهُ مِن نَهر الغُوطَة، قِيلَ وَمَا نَهرُ الغُوطَة؟ قَالَ نَهر يَخرُجُ مِن فُرُوجِ المُومِسَاتِ، يُؤذِي أَهلَ النَّار نَتن فُرُوجهم

جو آدمی اس حال میں مرا کہ وہ شراب کا عادی تھا، اللہ تعالیٰ اسے نہر الغوطہ سے پلائیں گے، کہا گیا نہر الغوطہ کیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا ایک نہر ہے جو بدکار عورتوں کی پیشاب گاہوں سے نکلتی ہے، ان کی پیشاب گاہوں کی بدبو دوزخیوں کو تکلیف (اور عذاب میں) مبتلا کر دے گی۔ (التخویف من النار)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کالمہل یشوی الوجوہ کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ زیتون کی تلچھٹ کی طرح ہے، جب کافر اسے اپنے منہ کے قریب کرے گا تو منہ کی کھال گر پڑے گی۔

حضرت ضحاک فرماتے ہیں، بیت المال سے تھوڑی سی چاندی کو پگھلایا پھر اہل مسجد کے پاس بھیجا اور فرمایا جو آدمی پسند کرے کہ وہ مہل کو دیکھے تو وہ اسے دیکھ لے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا

اگر جہنم سے جلتے ہوئے پانی کا ایک ڈول لیا جائے اور اسے زمین کے درمیان میں رکھ دیا جائے تو اس کی بدبودار ہوا اور گرمی کی شدت مشرق و مغرب کے درمیان کی سب چیزوں کو تکلیف میں مبتلا کر دے۔

امام اوزاعیؒ نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو بتلایا کہ اگر جہنم کی پینے کی کسی چیز سے ایک ڈول زمین کے تمام پانی میں پلٹ دیا جائے تو جو بھی اسے چکھے گا وہ اسے قتل کر ڈالے گا۔

اہل دوزخ کے درمیان دوزخ میں لڑائی

سوال اہل جہنم کے مابین دوزخ میں لڑائی جھگڑے ہوں گے، اس بارے میں بتائیے کہ وہاں ان کے درمیان باہمی کشاکش کس طرح ہو گی؟

جواب جب یہ سرکش اور باغی طاغی دوزخ میں داخل ہوں گے تو ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے ہوں گے، ایک دوسرے کو کہیں گے کہ دوزخ والوں کی ایک جماعت ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو گی، پھر وہ دوسرے انہیں جواب دیں گے ان کے لیے کوئی گنجائش اور کشادگی نہیں ہے اور نہ ہی ان کے لیے کوئی وسعت ہے، نہ ان کا استقبال ہو گا، نہ انہیں کوئی مرحبا کہنے والا ہو گا۔

نہ ان کے لیے کوئی وسیع اور عریض جگہ ہو گی، بلکہ ان کے گھر دوزخ میں تنگ ہوں گے، سرکشوں کے پیروکار واتباع ان سے کہیں گے کہ آج تمہیں کوئی مرحبا نہیں کہا جائے گا، اس لیے کہ تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے ہمارے لیے دوزخ کی رہائش گاہیں ہمارے آگے بھیجی ہیں، یہ اس لیے ہمارے لیے مقدر ہوا ہے کہ تم نے ہمیں دنیا میں گمراہ کیا تھا، تمہارے بہکانے اور راہ سے ہٹانے کی وجہ سے یہ ہوا ہے، یہ تو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

گمراہوں اور سرکشوں کے یہ پیروکار اللہ کی بارگاہ میں عرض کناں ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جنہوں نے ہمیں دنیا میں راہ ہدایت سے ہٹا کر چاہ ضلال میں ڈالا تھا آج ان کے عذاب کو دوزخ میں دگنا کر دے۔

مسلمانوں، ایمان والوں، اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے پیروکاروں کو دوزخ میں نہ دیکھ کر دوزخ والے چپ نہیں رہیں گے، وہ بھی اپنی زبانوں کو حرکت دیں گے اور کہیں گے کہ ہمیں کیا ہو گیا کہ ہم ان لوگوں کو دوزخ میں نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم دنیا میں شریر اور بدبخت شمار کیا کرتے تھے کیا ہماری طرف سے انہیں حقیر جاننا اور ان کے ساتھ

ٹھٹھا مذاق کرنا غلطی تھا؟ یا وہ لوگ دوزخ میں ہمارے ساتھ ہی ہیں، اور ہماری نگاہیں ان سے بھٹک گئی ہیں، انہیں دیکھ نہیں پا رہی ہیں؟

اہل دوزخ کی باہمی لڑائی جو دوزخ میں ہو گی، ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے وہ یقینی ہے، وہ ہو کر رہے گی، دنیا میں انہوں نے ایک دوسرے کو غلط کاموں پر ڈالا، ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی میں وہ راہ حق سے بھٹک کر گمراہ ہو گئے تھے، دوزخ میں قصور وار ایک دوسرے کو ٹھہرائیں گے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

هَذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَباً بِهِمْ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ{۵۹} قَالُوا بَلْ أَنتُمْ لَا مَرْحَباً بِكُمْ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ{۶۰} قَالُوا رَبَّنَا مَن قَدَّمَ لَنَا هَذَا فَزِدْهُ عَذَاباً ضِعْفاً فِي النَّارِ{۶۱} وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالاً كُنَّا نَعُدُّهُم مِّنَ الْأَشْرَارِ{۶۲} أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيّاً أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ{۶۳} إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ{۶۴}ص.

(جب وہ اپنے پیروکاروں کو آتا دیکھیں گے تو ایک دوسرے سے کہیں گے) یہ ایک اور لشکر ہے جو تمہارے ساتھ گھسا چلا آ رہا ہے، پھٹکار ہو ان پر، یہ سب آگ میں جلنے والے ہیں۔ وہ (آنے والے) کہیں گے: نہیں، بلکہ پھٹکار تم پر ہو، تم ہی تو یہ مصیبت ہمارے آگے لائے ہو، اب تو یہی بدترین جگہ ہے جس میں رہنا ہو گا۔ (پھر وہ اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ) اے ہمارے پروردگار! جو شخص بھی یہ مصیبت ہمارے آگے لایا ہے، اسے دوزخ میں دوگنا عذاب دیجیے۔ اور اہ (ایک دوسرے سے) کہیں گے: کیا بات ہے کہ ہمیں وہ لوگ (یہاں دوزخ میں) نظر نہیں آ رہے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے؟ کیا ہم نے ان کا (ناحق) مذاق اڑایا تھا، یا انہیں دیکھنے سے نگاہوں کی غلطی لگ رہی ہے؟ یقیناً دوزخیوں کے آپس میں جھگڑنے کی یہ ساری باتیں بالکل سچی ہیں جو ہو کر رہیں گی۔

اہل دوزخ جھگڑا کریں گے ، مجادلہ کریں گے ، ایک دوسرے کو برا بھلا کہیں گے ، جیسے دوسرے مقام پر قرآن کریم میں ہے دوزخیوں کا ہر گروہ دوسرے پر سلام کرنے کی بجائے لعنت کے ڈونگرے برسائے گا، ایک دوسرے کو جھوٹا کہے گا اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کرے گا۔

ایک جماعت جو پہلے جہنم میں جا چکی ہے وہ دوسری جماعت کو داروغہ جہنم کے ساتھ آتی ہوئی دیکھ کر کہے گی کہ یہ گروہ جو تمہارے ساتھ ہے انہیں مرحبا نہ ہو اس لئے کہ یہ بھی جہنمی گروہ ہے۔ وہ آنے والے ان سے کہیں گے کہ تمہارے لئے مرحبا ہو تم ہی تو تھے کہ ہمیں ان برے کاموں کی طرف بلاتے رہے جن کا انجام یہ ہوا۔ پس بری منزل ہے۔

پھر کہیں گے کہ اے باری تعالیٰ جس نے ہمارے لئے یہ مصیبت ، یہ عذاب آگے بھیجا، تو اسے دوگنا عذاب کر۔ جیسے فرمان ہے

قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۤءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف :۳۸)

یعنی پچھلے پہلوں کے لئے کہیں گے کہ پروردگار انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا تو انہیں آگ کا دگنا عذاب کر۔ اللہ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا ہی ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ یعنی ہر ایک کے لئے ایسا عذاب ہے جس کی انتہا اسی کے لئے ہے۔

چونکہ کفار وہاں مومنوں کو نہ پائیں گے جنہیں اپنے خیال میں بہکا ہوا جانتے تھے تو اس میں ذکر کریں گے کہ اس کی وجہ کیا ہے ؟ ہمیں مسلمان جہنم میں نظر نہیں آتے ؟

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ابو جہل کہے گا کہ بلال عمار صہیب وغیرہ وغیرہ کہاں ہیں ؟ وہ تو نظر ہی نہیں آتے غرض ہر کافر یہی کہے گا کہ وہ لوگ جنہیں دنیا میں ہم شریر گنتے تھے وہ آج یہاں نظر نہیں آتے۔ کیا ہماری ہی غلطی تھی کہ ہم انہیں دنیا میں مذاق میں اڑاتے تھے ؟ لیکن نہیں ایسا تو نہ تھا وہ ہوں گے تو جہنم میں ہی لیکن کہیں ادھر ادھر ہوں گے ہماری نگاہ میں نہیں پڑتے۔

اسی وقت جنتیوں کی طرف سے ندا آئے گی کہ اے دوزخیو! ادھر دیکھو ہم نے تو اپنے رب کے وعدے کو حق پایا تم اپنی کہو کیا اللہ کے وعدے کے سچے نکلے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں بالکل سچ نکلے اسی وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔ اسی کا بیان آیات قرآنیہ

وَنَادٰٓي اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ (الاعراف:۴۴)

ہے۔ پھر فرماتا ہے اے نبی ﷺ جو خبر میں تمہیں دے رہا ہوں کہ جہنمی اسی طرح لڑیں جھگڑیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے یہ بالکل سچی واقعی اور ٹھیک خبر ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

بڑی خبر سے کیا مراد ہے؟

سوال یہ آیات کس بارے میں گفتگو کر رہی ہیں، اس کی وضاحت فرمائی جائے۔

قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ{٦٧} أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ{٦٨}ص.

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ یہ بڑی خبر ہے۔ جس سے تم منہ موڑے ہوئے ہو۔

نباء عظیم یعنی بڑی خبر کیا ہے؟ اس میں کئی احتمال ہیں

(ا) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ واحد ہے اور سب پر غالب ہے، یہ بہت بڑی خبر ہے۔

(ب) سیدنا محمد ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہیں، یہ بہت بڑی خبر ہے

(ج) قرآن مجید وحی الٰہی ہے اور یہ معجز کلام ہے، یہ بہت بڑی خبر ہے۔

(د) قیامت برحق ہے، صور پھونکنے کے بعد یہ تمام کائنات فنا ہو جائے گی، پھر دوسرے صور کے بعد سب لوگ زندہ کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب اور کتاب کے لیے پیش کیے جائیں گے، پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا اور

سزادی جائے گی، یہ بہت بڑی خبر ہے۔ اس سورت کے شروع میں ان چاروں چیزوں کی خبر دی گئی ہے اور یہ بہت عظیم اور اہم خبر ہے اور کفار مکہ ان خبروں کو نبی ﷺ سے بار بار سننے کے باوجود ان خبروں سے اعراض کرتے تھے، بلکہ ان خبروں کا انکار اور ان کی تکذیب کرتے تھے۔

ان چیزوں کی خبر اس قدر اہم اور اس قدر عظیم ہے کہ اگر ان کا انکار کر دیا جائے تو انسان دنیا میں مذمت اور ملامت کا اور آخرت میں عقاب اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے اور اگر ان چیزوں کی تصدیق کرے، ان پر ایمان لے آئے اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرے تو دنیا میں اس کی تعریف کی جاتی ہے اور آخرت میں اللہ اپنے فضل سے اس کو اجر وثواب عطا فرمائے گا اور جنات الفردوس میں اس کو داخل فرمائے گا۔

اس لیے عقل سلیم یہ واجب کرتی ہے کہ ان کے متعلق سستی اور تساہل سے کام نہ لیا جائے، ان پر کامل غور وفکر کیا جائے اور محض باپ دادا کی اندھی تقلید کی وجہ سے ان کا انکار نہ کیا جائے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

الحمدللہ ثم الحمدللہ آج سورۃ ص کے مضامین کی تفسیر مکمل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کاوش کو بلا استحقاق قبول فرمالے اور اسے ہماری نجات کا سامان کر دے، اللہ تعالیٰ اس جدوجہد کو اپنے پیارے نبی حضرت محمد عربی ﷺ کے صدقے قبول ومنظور فرمائے، آمین بحرمۃ النبی الکریم وعلی آلہ واصحابہ واھل بیتہ وذریاتہ اجمعین

خادم اسلام
محمود الرشید حدوٹی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ، بمطابق ۲۹ نومبر ۲۰۱۷ء، ۱۰ بجے شب

سورۃ الزمر

اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے۔

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (۱) إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ (۲)الزمر

جواب ترجمہ: یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی جارہی ہے، جو بڑے اقتدار کا مالک ہے، بہت حکمت والا ہے۔ (اے پیغمبر) بیشک یہ کتاب ہم نے تم پر برحق نازل کی ہے، اس لیے اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ بندگی خالص اسی کے لیے ہو۔

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے، اس کے غالب ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ جو اس کو، اس کی اتاری ہوئی کتاب کو، اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کا انکار کرے، انہیں جھٹلائے وہ انہیں سزا دے، مگر چونکہ وہ صرف غالب ہی نہیں ہے بلکہ وہ حکیم بھی ہے، اس کے تمام کام حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، وہ جب کسی مجرم کو سزا نہیں دیتا، کسی منکر کا فوری ایکشن نہیں لیتا اور مہلت دیتا رہتا ہے یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف اتاری ہے، یہ حق اور سچ پر مبنی کتاب ہے، اس میں سچ ہی سچ ہے، اس لیے اس میں جو کچھ کہا جارہا ہے، جو کچھ کہا گیا ہے اس کے مطابق خالص اعتقاد رکھتے ہوئے عبادت کیجیے، اس ارشاد کے اولین مخاطب نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہیں، پھر ان کے ہمراہ صحابہ کرام ہیں، اسی طرح ان کے بعد قیامت کی صبح تک آنے والے امتیوں کے لیے یہ پیغام ہے، کہ اچھے اور خالص اعتقاد کے تحت اللہ کی بندگی اور عبادت کرو۔

خالص عبادت سے مراد ایسی عبادت ہے جو ریاکاری سے پاک ہو، جو شرک کی آمیزش سے پاک ہو، جو لوگ کسی مقام پر اللہ کی بندگی زور وشور سے کرتے ہیں اور کسی مقام پر اللہ کی مخلوق کی پوجا پاٹ کرتے ہیں یہ خالص اور مخلص عبادت گزار نہیں ہے اور نہ ہی ان کی عبادت اللہ کی منشاء کے مطابق ہے۔

جن لوگوں نے اللہ کی خالص عبادت چھوڑ کر اس کے سوا دوسرے لوگوں کو شریک ٹھہرا رکھا ہے وہ مشرک ہیں اور مشرک ایسی پلید اور ناپاک مخلوق ہے اللہ کی طرف سے اس کی کبھی بھی، کسی بھی صورت میں بخشش نہیں ہوتی۔

مفتی محمد شفیعؒ صاحب اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ

لفظ دین کے معنیٰ اس جگہ عبادت کے ہیں یا اطاعت کے، جو تمام احکام دینیہ کی پابندی کو عام اور شامل ہے۔ اس کے پہلے جملہ میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت و اطاعت کو خالص اسی کے لئے کریں جس میں کسی غیر اللہ کے شرک یا ریاء ونمود کا شائبہ نہ ہو۔ دوسرا جملہ اسی کی تاکید کے لئے ہے کہ خالص دین صرف اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔ اس کے سوا اور کوئی مستحق نہیں۔ (معارف القرآن)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں بعض اوقات کوئی صدقہ وخیرات کرتا ہوں یا کسی پر احسان کرتا ہوں جس میں میری نیت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی بھی ہوتی ہے اور یہ بھی کہ لوگ میری تعریف وثناء کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ شَيْئًا شُورِكَ فِيهِ

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتے، جس میں کسی غیر کو شریک کیا گیا ہو۔ پھر آپ نے آیت مذکورہ بطور استدلال کے تلاوت فرمائی۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔ (قرطبی)

انسانی اعمال اللہ کے ہاں اخلاص کی مقدار کے مطابق قبول ہوتے ہیں، قرآن کریم کی بہت سی آیات میں یہ بات موجود ہے کہ اللہ کے ہاں اعمال کو گنا نہیں بلکہ ان کا وزن کیا جائے گا، جن کے اعمال کا وزن بھاری ہو گا وہ کامیاب لوگ ہوں گے، جن کے اعمال کا وزن ہلکا ہو گا وہ ناکام لوگ ہوں گے، جیسے سورۃ القارعہ میں بھی واضح کیا گیا ہے اور اعمال میں وزن خلوص کے ساتھ بنتا ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے مخلصاً کا لفظ استعمال فرمایا ہے، مخلص وہی ہے جو شرک وریاکاری سے محفوظ رہ کر اللہ کی بندگی کرے، حضرات صحابہ کرامؓ اس میں بہت ہی احتیاط کرتے تھے کہ کہیں ان کی طرف سے دکھلاوے کا کام نہ ہو جائے۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب فرماتے ہیں کہ

صحابہ کرام جو مسلمانوں کی صف اول ہیں ان کے اعمال وریاضت کی تعداد کچھ زیادہ نظر نہ آئے گی مگر اس کے باوجود ان کا ایک ادنیٰ عمل باقی امت کے بڑے بڑے اعمال سے فائق ہونے کی وجہ ان کا کمال ایمان اور کمال اخلاص ہی تو ہے۔ (معارف القرآن)

علامہ ابن القیم جوزیؒ فرماتے ہیں کہ خالص دین وہی ہے جو شرک سے محفوظ ہے، جہاں شرک کی آمیزش ہو گی وہ دین اللہ نہیں ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ (تفسیر زادالمسیر)

علامہ فرماتے ہیں کہ مخلصاً منصوب علی الحال ہے، اللہ کا حکم یہ ہے کہ تم اس کی عبادت اس طرح کرو جو شرک سے پاک ہو۔ (زادالمسیر)

اللہ تک رسائی کے لیے واسطے

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے۔

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ (۳)الزمر

جواب ترجمہ: یاد رکھو کہ خالص بندگی اللہ ہی کا حق ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کے بجائے دوسرے رکھوالے بنا لیے ہیں۔ (یہ کہہ کر کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس

لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔ ان کے درمیان اللہ ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ یقین رکھو کہ اللہ کسی ایسے شخص کو راستے پر نہیں لاتا جو جھوٹا ہو، کفر پر جما ہوا ہو۔

معبودانِ باطلہ کو پکارنے والے، ان کی پوجا کرنے والے، ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنے والے ان کی پرستش اس لیے کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہمیں ہمارے پروردگار کے قریب کر دیں گے، یعنی ہماری حاجتیں یا ہماری عبادتیں اللہ کی بارگاہ میں پیش کر دیں، جس طرح دنیا میں وزیروں اور بادشاہوں کے درباروں میں سفارشوں سے کام چلایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ واضح فرما رہے ہیں کہ معبودانِ باطلہ کی پوجا اور پرستش کرنے والوں اور ایمان والوں کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ بروز محشر کر دیں گے، جو لوگ توحیدی تھے اللہ ان کے لیے فیصلہ فرمائیں گے کہ یہ جنت میں جائیں گے اور جو مشرک ہوں گے ان کے لیے اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے کہ یہ دوزخ میں جائیں گے، اس لیے اگر یہ اس دنیا میں تسلیم نہیں کرتے تو پریشان ہونے اور تعجب کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، روزِ حساب آنے والا ہے، غلط عقائد اور نظریات پر چلنے والے خود ہی بھگت لیں گے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ

خبردار دین خالص اللہ ہی کے لیے (یعنی سب بندوں پر فرض ہے کہ موحد بنے رہیں۔)

اس کے بعد مشرکین کی ایک بڑی گمراہی اور ان کے جھوٹے دعوے کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جن لوگوں نے اللہ کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں۔ یعنی شرکاء تجویز کر رکھے ہیں وہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں گے یعنی ہماری عبادات کو اللہ کے حضور میں پیش کر دیں گے یا ہماری حاجت روائی کے لیے سفارش کر دیں گے۔

بات یہ ہے کہ شیطان بڑا چالاک ہے گمراہ کرنے میں ماہر ہے اس سلسلہ کے داؤ پیچ خوب جانتا ہے جب لوگوں کو شرک پر ڈالا اور حضرات انبیاء کرام (علیہ السلام) اور ان کے داعیوں نے توحید کی طرف بلایا اور شرک کی برائی بیان کی تو مشرکین کی سمجھ میں کچھ بات آنے لگی لہٰذا شیطان نے انہیں یہ پٹی پڑھا دی کہ تمہارا یہ غیر اللہ کی عبادت کرنا توحید کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ توحید ہی کی ایک صورت ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں جب تک کوئی واسطہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات عالی تک تم کہاں پہنچ سکتے ہو۔

اللہ کے سوا جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو یہ تو وسائط ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری سفارش کر دیں گے لہٰذا یہ بھی ایک طرح سے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہوئی اور اس کی ذات عالی تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہوا، دیکھو دنیا میں چھوٹے موٹے وزیروں سے کام لینا ہو تو سفارش کی ضرورت پڑتی ہے جب بلاواسطہ مخلوق تک بات نہیں پہنچ سکتی تو خالق تعالیٰ کی ذات عالی تک بلاواسطہ تمہاری پہنچ کیسے ہو سکتی ہے شیطان کی یہ بات مشرکین کے دلوں میں اتر گئی اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ شرک کو چھوڑو اللہ کی عبادت کرو تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیں گے۔

جو قومیں فرشتوں کو، جنات کو، بتوں کو، پوجتی ہیں اور ان کے علاوہ جو قبر پرست ہیں، یہی بات کہتے ہیں کہ ہم جو ان کی قبروں کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کی نیازیں مانتے ہیں یہ کوئی توحید کے خلاف نہیں یہ قبر والے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کر کے ہمیں بخشوا دیں گے انہیں شرک بھاتا ہے جو دوزخ میں لے جانے والا ہے اور توحید کی بات بری لگتی ہے (اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ) اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا (اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ بَیْنَہُمْ فِیْ مَا ھمْ فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ) (لوگ جس چیز میں اختلاف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا) دلائل کے ذریعہ دنیا میں بھی حق اور باطل کا فیصلہ فرما دیا ہے

قیامت کے روز عملی طور پر فیصلہ فرمادے گا کہ اہل حق کو جنت میں اور کفر و شرک والوں کو دوزخ میں بھیج دے گا۔(تفسیر انوار البیان)

پھر فرمایا(اِنَّ اللّٰهَ لاَ یَهدِیْ مَنْ هوَ کَاذِبٌ کَفَّارٌ)(بلاشبہ اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا ہو اور کافر ہو) ہدایت کی دو صورتیں ہیں ایک ہدایت کا راستہ بتادینا وہ تو سبھی کے لیے ہے اور ایک حق قبول کرنے کی حد تک پہنچادینا یہ ہدایت ان لوگوں کو نہیں ہوتی جن میں عناد ہو اقوال کفریہ اور عقائد کفریہ پر اصرار ہو اور حق کی طلب نہ ہو یہاں وہی ہدایت مراد ہے جسے علمی زبان میں ایصال الی المطلوب سے تعبیر کیا جاتا ہے،(ایضا)

ڈاکٹر غلام مرتضیٰؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ

الفاظ پر غور کریں گے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ موجودہ زمانے اور اس زمانے میں دی جانے والی دلیلوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم چونکہ قرآن مجید نہیں پڑھتے، اس لئے ہمیں حقیقت کا علم نہیں ہوتا۔ قرآن مجید انسان کے اس رویئے کو شرک قرار دے رہا ہے کہ اللہ کی ذات جو سمیع و بصیر ہے، شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اس تک رسائی کے لئے تم تو واسطے ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ کیا یہ درمیانی واسطے اللہ سے زیادہ رحیم اور کریم ہیں یا اللہ کے مقابلے میں تمہاری زیادہ دیکھ بھال کرتے ہیں یا ان کی سفارش کی وجہ سے اللہ رحمان و رحیم بن جائے گا؟

ظاہر ہے، ایسا ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان واسطوں کو ڈھونڈنا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان واسطوں کو اللہ سے زیادہ مہربان خیال کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

ذرا غور کیجئے کہ اگر کوئی شخص ایسے دو افراد کا تعارف کروائے جو پہلے سے ایک دوسرے کے بہت قریب ہوں یا کوئی شخص باپ کے پاس اس کے بیٹے کی سفارش کرے تو کیا یہ باپ کی توہین نہیں ہے؟ یا باپ کو اپنے فرائض سے غافل ظاہر کرنا نہیں ہے؟

شفاعت کی حقیقت: ہر عقل و شعور رکھنے والا آدمی اس کو غلط قرار دے گا۔ البتہ یہ ہے کہ تربیت و تزکیہ کرنے والے، دین پہنچانے والے نبی کا ایک خاص مقام ہے لیکن وہ بھی معبود نہیں کیونکہ جب اللہ کی عبادت کی بات ہو گی تو براہ راست اللہ کو پکارا جائے گا اور انبیاء بھی یہی سکھاتے ہیں۔ اس کلام سے یہ غلط فہمی ہر گز نہ ہونی چاہئے کہ یہاں شفاعت کا انکار یا نفی ہو رہی ہے بلکہ شفاعت کی حقیقت بیان ہو رہی ہے کیونکہ شفاعت بھی اللہ کا فیصلہ ہے اور یہ بھی اللہ کا فیصلہ ہے کہ کوئی بھی اس وقت تک شفاعت نہیں کر سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو۔ کیونکہ شفاعت کی وجہ سے شفاعت کرنے والے کو ایک عزت والا مقام دیا جارہا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی حکومت یا ادارہ کسی کام کا فیصلہ کر چکے اور اسی دوران میں کسی کی سفارش آجائے تو اس بہانے سفارش کرنے والے کی عزت افزائی کر دی جاتی ہے۔

قیامت میں بھی جو سفارش ہو گی وہ اللہ ہی کا احسان ہے اللہ کا کرم اور رحمت کا نتیجہ ہو گا۔

حدیث شریف میں ایک بات اس قدر حیران کن اور دل خوش کرنے والی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انبیاء و صلحاء کی سفارش قبول فرمائیں گے۔ وہ لوگ جن کے دل میں رتی پھر بھی ایمان ہے، ان کی سفارش کوئی نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے تمہاری سفارش کوئی نہیں کرتا؟ وہ کہیں گے: اللہ! "ہماری شفاعت کرنے والا کوئی بھی نہیں"۔ اور اب وہ اس انتظار میں ہوں گے کہ انہیں عذاب کے حوالے کر دیا جائے۔ اللہ رب العزت ان سے فرمائیں گے: "جس کا کوئی نہ ہو، اس کا میں ہوتا ہوں۔ میری رحمت تو موجود ہے، میں تمہیں اپنی رحمت سے معاف کرتا ہوں۔ (تفسیر انوار القرآن)

حضرت مولانا ابو الکلام آزادؒ فرماتے ہیں کہ

کفار کا عقیدہ تھا کہ خالق اللہ ہی ہے اور وہی اصل معبود ہے لیکن اس کی بارگاہ بہت بلند ہے اور اس تک بلاواسطہ ہماری رسائی نہیں ہو سکتی اس لیے ہم بزرگ ہستیوں کو ذریعہ بناتے ہیں تاکہ یہ ہماری دعائیں اور التجائیں اللہ تک پہنچا دیں یہی بات بالعموم دنیا بھر کے مشرکین کہتے آئے ہیں۔ (تفسیر ترجمان القرآن)

انسان وحیوان کی پیدائش

سوال قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے۔

خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَأَنزَلَ لَكُم مِّنْ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقاً مِن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ {٦} الزمر.

جواب ترجمہ: اس نے تم سب کو ایک شخص سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا، اور تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ جوڑے پیدا کیے وہ تمہاری تخلیق تمہاری ماؤں کے پیٹ میں اس طرح کرتا ہے کہ تین اندھیروں کے درمیان تم بناوٹ کے ایک مرحلے کے بعد دوسرے مرحلے سے گزرتے ہو۔ وہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے۔ ساری بادشاہی اسی کی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ پھر بھی تمہارا منہ آخر کوئی کہاں سے موڑ دیتا ہے؟

رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے رب نے تمہیں آدم علیہ السلام سے پیدا کیا، آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حضرت حواء کو باہر نکالا، اسی طرح تمہارے جانوروں کی آٹھ اقسام بنائیں، ان میں مذکر بھی ہیں اور مؤنث بھی ہیں، اونٹ بھی ہیں، گائے بھی، دنبے اور بھیڑیں بھی ہیں، وہ تمہیں تمہاری ماں کے پیٹ میں تین اندھیروں کے اندر عدم سے وجود میں لاتا ہے، یہ پروردگار عالم ہی ہے جو ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے، یہ تمہارا پروردگار ہے جو اکیلا اور یگانہ ہے، جو اپنی الوہیت و کبریائی میں اکیلا ہے، وہی مستحق عبادت ہے، پھر تم لوگ کیوں اس کی عبادت میں اوروں کو شریک ٹھہراتے ہو؟

علامہ غلام رسول صاحب اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ

اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے تم کو حضرت آدم سے پیدا کیا، پھر حضرت آدم کی پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا۔ پھر فرمایا: اور اس نے چوپایوں میں سے تمہارے لیے آٹھ نر اور

مادہ اتارے۔ اس آیت میں چوپایوں کے لیے انعام کا لفظ اور عربی میں انعام کا لفظ چار قسم کے جانوروں کے لیے مخصوص ہے ① اونٹ ② بیل ③ دنبہ ④ بکرا اور چار ان کی مادہ ہیں، پس نر اور مادہ مل کر یہ آٹھ جوڑے ہو گئے۔ اس آیت میں فرمایا ہے اس نے تمہارے لیے آٹھ نر اور مادہ نازل کیے ہیں۔

حالانکہ یہ جانور اوپر سے نہیں نازل ہوئے بلکہ زمین پر ہی ان کی پیداوار اور افزائش ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اس پانی سے ہی زمین سے سبزہ اور چارا اگتا ہے جس کو کھانے کی وجہ سے ان جانوروں کی افزائش ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تخلیق فرماتا ہے، ایک تخلیق کے بعد دوسری تخلیق، تین تاریکیوں میں۔ اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں انسان کی بہ تدریج تخلیق کی ہے، پہلے انسان کے نطفہ کو جما ہوا خون بناتا ہے، پھر اس کو گوشت کی بوٹی بنا دیتا ہے، پھر اس میں ہڈیاں پہنا دی جاتی ہیں، پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔

نیز فرمایا، یہ تخلیق تین تاریکیوں میں ہوتی ہے، ایک تاریکی پیٹ کی ہوتی ہے، دوسری تاریکی رحم کی ہوتی ہے اور تیسری تاریکی اس جھلی کی ہوتی ہے جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک تاریکی صلب (پیٹھ) کی ہو، دوسری تاریکی پیٹ کی ہو اور تیسری تاریکی رحم کی ہو۔

پھر فرمایا، یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے، اسی کی سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے: جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو حسین و جمیل صورت دی اور تم پر انواع و اقسام کی ظاہری اور باطنی نعمتیں نازل کیں اور تم کو اپنی توحید کی دعوت دی اور تم کو یہ بشارت دی کہ اگر تم نے میری اطاعت اور عبادت کی تو میں تم کو جنت عطا کروں گا اور جنت میں تمہیں میری رضا اور میرا

دیدار حاصل ہو گا، پھر کیا وجہ ہے تم میری بشارت پر کان نہیں دھرتے اور میری دعوت قبول نہیں کرتے۔

اس کے بعد فرمایا، سو تم کہاں بھٹک رہے ہو۔ تم کو بتادیا ہے کہ ساری کائنات میری ہی سلطنت ہے اور میرا ہی تصرف ہے، میرے سامنے سب عاجز اور مجبور ہیں، قادر اور قہار میں ہی ہوں۔ پھر تم جن بتوں کے آگے ہاتھ پھیلارہے ہو، جن سے مدد طلب کرتے ہو اور مرادیں مانگتے ہو، وہ سب بے جان اجسام ہیں، تو تم کہاں بھٹک رہے ہو، اللہ ہی خالق اور مالک ہے، اس کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، تم اس کی عبادت کو چھوڑ کر کس کی پرستش کررہے ہو۔(تفسیر تبیان القرآن)

دولت اسلام

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (۲۲)(الزمر)

جواب ترجمہ: بھلا کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنے پروردگار کی عطا کی ہوئی روشنی میں آچکا ہے، (سنگ دلوں کے برابر ہو سکتا ہے؟) ہاں، بربادی ان کی ہے جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

شرح صدر کا مفہوم: شرح کے لفظی معنی کھولنے، پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں۔ شرح صدر وسعت قلب کو کہتے ہیں۔ اس کا مقابل ضیق صدر بھی ہے اور قساوتِ قلب بھی۔ قرآن کریم میں ایک اور جگہ یَجْعَلْ صَدْرَہ ' ضَیْقًا حَرَجًا اور اس جگہ لِلْقٰسِیَۃِ قُلُوْبُھمْ اسی شرح صدر کے بالمقابل آیا ہے۔(تفسیر روح القرآن)

امام تفسیر حضرت مجاہدؒ سے آیت أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؒ نے فرمایا کہ

لَيْسَ المشروح صَدره كَالقَاسِيَةِ قُلُوبُهم
سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کو قبول کرنے کے لئے کھول دیا ہو یعنی جس کا سینہ کھول دیا گیا وہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہوتا جن کے دل سخت ہوں۔(در منثور)

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ

أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ
(سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کو قبول کرنے کے لئے کھول دیا ہو جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے رب کے عطا کردہ نور پر ہے)
صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ سینہ کھل جاتا ہے؟ فرمایا: ہاں! اصحاب نے عرض کیا؛ اس کی کوئی نشانی ہے۔ فرمایا ہاں،
التَّجَافِي عَنْ دَار الْغُرُور وَالإِنَابَة إِلَى دَار الخُلُودِ وَالإِستِعدَادُ لِلْمَوْتِ قَبلَ نزُولِ الْمَوْتِ
دھوکے کے گھر یعنی دنیا سے اعراض کرنا اور ہمیشہ کے گھر کی طرف رجوع کرنا اور موت سے پہلے موت کی تیاری کرنا۔(تفسیر در منثور)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ سے شرح صدر کا مطلب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ جب نور ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہوجاتا ہے (جس سے احکامِ الٰہیہ کا سمجھنا اور عمل کرنا اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے)۔ ہم نے عرض کیا اس شرح صدر کی علامت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:
اَلاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِالْخَلُوْدِ وَالتَّجَافِیْ عَنْ دَارِالْغُرُوْرِ وَالتَـأھبِ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِہٖ ،
ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا اور دھوکے کے گھر یعنی دنیا کے لذائذ اور زینت سے دور رہنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔(در منثور)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا یا نبی اللہ! ایمان والوں میں سے کون عقلمند ہے؟ فرمایا:

أَكْثَرُهم ذِكر لِلْمَوْتِ وَأَحْسَنهمْ لَهُ اسْتِعْدَادًا وَإِذَا دَخَلَ النُّورُ فِي الْقَلب اِنْفَسَحَ وَاسْتَوْسَعَ

ان میں اکثر موت کو یاد کرنے والا ہے اور اس کی اچھی طرح تیاری کرنے والا اور جب نور دل میں دخل ہوتا ہے تو وہ چوڑا ہو جاتا ہے اور کشادہ ہو جاتا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا، یا نبی اللہ! اس کی نشانیاں کیا ہیں؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

الْإِنَابَةُ اِلَی دَار الخُلُودِ وَالتَّجَافِي عَن دَار الْغُرُور وَالاِستِعدَادُ لِلْمَوْتِ قَبلَ نزُولِ الْمَوْتِ(نوادارالاصول للحکیم الترمذی)

ہمیشہ کے رہنے والے گھر کی طرف رجوع کرنا اور دھوکہ والے گھر سے اعراض کرنا اور موت کی تیاری کرنا موت کے نازل ہونے سے پہلے۔

موت دنیا کا آخری کام ہے، دانا اور عقل مند وہ ہے جو اپنے انجام کو دیکھے، بے وقوف اور نادان وہ ہے جو اپنی شہوات کے ان پردوں کے باعث جو اس کے دل کے آگے ہوتے ہیں اس سے آنکھیں بند کرلیتا ہے، آنکھیں موند لیتا ہے، جو اس انجام سے اسے بے پرواہ کر دیتی ہیں، اور اس کے پاس تمنائیں اور آرزوئیں جھوٹے موٹے وعدے لے کر آتی ہیں، جو اسے گناہ میں مبتلا کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ گناہ کرلے پھر توبہ کرلینا، شہوات نفسانی اس کے پاس آتی ہیں اور اسے کہتی ہیں کہ مجھے اپنی طرف لے لو پھر توبہ استغفار کرلینا، اللہ گناہ گاروں کو بخشنے والا ہے، توبہ کرنے والوں کا دوست ہے۔

یہی چیزیں وہ کثیف پردے ہیں جو اس کے انجام اور آخر کار سے آگے رکاوٹ ہیں، جو اسے انجام نہیں دیکھنے دیتے، اور دانا اور عقل مند وہ ہے جو نگاہ رب العالمین سے سعادت پا گیا، جسے اہل توحید کے نور سے کچھ زیادہ دیا جاتا ہے، یہ نور یقین ہے، یہ نور ایسا نور ہے جو ان پردوں، ان دھوئیں کے مرغولوں اور شہوات کے باعث دل میں پیدا ہونے والے اندھیروں کو پاش پاش کر دیتا ہے۔

جب دھویں کے مرغولے رک جاتے ہیں، اندھیرے پاش پاش ہو جاتے ہیں تو دل چمک اٹھتا ہے، اس کے بعد وہ اپنے انجام کار کو دیکھتا ہے، انجام کو دیکھنا ہی شہوتوں کی لذت کو کاٹ ڈالتا ہے، جو اس کے اور اس کی تمناؤں اور آرزؤں کے درمیان حائل ہو جاتی ہیں، حالانکہ اس کی عمر چند محدود سانس ہیں، جب یہ گنتی کے سانس اختتام پذیر ہو جاتے ہیں تو انسان کو ایک بڑا خطرہ دامن گیر ہو جاتا ہے، اسے پتا نہیں ہوتا کہ کب اس پر موت اتر آئے گی؟

جب موت آجاتی ہے تو انسان اس دھوکے کے گھر سے کوچ کرتا ہے، جس میں اسے دھوکہ دیا گیا، اسے ان دھوکوں نے گناہوں کی دلدل میں پھنسایا تھا، گناہوں کی برائیوں میں مبتلا کیا تھا، کہ اس کے پاس توبہ کی طرف جانے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی مہلت تک نہیں تھی، موت انہیں اللہ کی بارگاہ میں اس طرح پیش کر دیتی ہے جس طرح بھگوڑے غلام کو پیش کیا جاتا ہے، اللہ نے انہیں دنیا میں مہلت دی تھی، اور ان کے ساتھ حلیمی کا معاملہ کیا تھا، یہ لوگ اس کی حلیمی اور کریمی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لیے ایسے ایسے فیصلے کرتے تھے جنہیں وہ دنیا میں چاہتے تھے۔

حالانکہ یہ لوگ ایسی جگہ پر پیش کیے جائیں گے جسے پسند نہیں کرتے تھے، انہیں ایسی ہستی کی بارگاہ میں پیش ہونا جو ان کے بھگوڑے پن کے بارے میں فیصلہ کرے گی، یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے جو ان کا سچا مالک اور آقا ہے، اسی کا حکم چلتا ہے، وہ جلد حساب لینے والی ذات ہے، اس لیے دانا اور عقل مند وہ شخص ہے جو اس نور اور روشنی کے ساتھ دیکھتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔

وہ اس نورِ الٰہی سے دیکھتا ہے کہ موت ہر اس لذت کو کاٹ ڈالے گی جو اس کے اور توبہ کے درمیان رکاوٹ ہے، یوں اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے، اس کا نفس مرجھا جاتا ہے، اس کی شہوت کی آگ بجھ جاتی ہے، اس کی آرزؤں کے گہرے بادل چھٹ جاتے ہیں، پھر وہ اپنے ہر گناہ سے توبہ کی تیاری میں مصروف ہو جاتا ہے، وہ اپنی سیاکاریوں کی معذرت

کرنے کے لیے کمربستہ ہوجاتا ہے، وہ ہر برائی کی جگہ اچھائی اختیار کرتا ہے، وہ توبہ استغفار کرتا ہے تاکہ وہ اس کی نیکیاں، اس کی اچھائیاں اس کے گناہوں کے لیے پردہ اور آڑ بن جائیں، اور توبہ اس کی خطاؤں کو مٹاڈالے۔

آپ ﷺ کے فرمان گرامی کی تفسیر بھی یہی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ ان میں سب سے بڑا دانا اور عقل مند وہی ہے جو ان میں سے موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور اس کے لیے تیاری کے لحاظ سے اچھا ہے۔

موت کی تیاری کا مطلب یہی ہے کہ وہ اس طرح نافرمانیوں سے، گناہوں سے، سرکشیوں سے اپنے کو بچائے کہ اسے مہلت طلب نہ کرنا پڑے، کہ جب اللہ کا حکم اچانک اس کے پاس آجائے اور اللہ کی دعوت آن پہنچے تو وہ دہائی دینے لگے کہ مجھے توبہ کرنے کی مہلت دی جائے، مجھے استغفار کی مہلت درکار ہے، تاکہ میں توبہ کروں اور اپنے کاموں کو درست کرلوں۔

موت کی بہترین تیاری یہ ہے کہ انسان اللہ سے ملاقات کی تیاری کرے، اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی تیاری کرے، اس کے سامنے پیش کرنے کے لیے اعمال کو تیار رکھے، اس لیے کہ جب اسے معلوم ہے کہ موت آئے گی، تو اس کا دل اللہ کی ملاقات کے لیے خوشی محسوس کررہا ہو، اس کی روح اس کی اطاعت کی وجہ سے خوش ہو، اس کا نفس خواہشات اور آرزؤں سے بچنے کی وجہ سے خوش ہو۔

یہ اہل یقین کی صفات ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا کہ جب انہیں فرشتے موت دیں گے تو یہ لوگ خوش ہوں گے، فرشتے انہیں سلام کہیں گے اور کہیں گے کہ تم جنت میں داخل ہوجاؤ۔ اللہ کی طرف سے فرشتے انہیں سلام کہیں گے اور اللہ کی طرف سے انہیں اس طرح جنت میں جانے کی خوشخبری دیں گے کہ کسی جگہ حساب کتاب کے لیے ٹھہرنے کا نہیں کہیں گے۔

جب کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کو پلصراط پر بھی مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا، انہیں جنت کے دروازے پر بھی ٹھہرنا پڑے گا، انہیں حساب کتاب سے بھی گزرنا پڑے گا، انہیں دوزخ میں جلنا بھی پڑے گا، انہیں قیامت کی ہولناکی کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔

ڈاکٹر محمد اسلم اس آیت میں شرح صدر کا مفہوم بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ شرح صدر کے مفہوم کے ذکر کے بعد اب ہم آیت کی وضاحت کرتے ہیں۔ سب سے پہلی چیز جس کی طرف توجہ دینا پر ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت کا اسلوب استفہامیہ ہے۔ اسی لیے اسے حرف استفہام سے شروع کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں پروردگار نے قرآن کریم کے مخاطبوں کے سامنے ایک سوال رکھا ہے جس کے پہلے جز کو ذکر فرمادیا ہے اور دوسرا جز سننے والوں کی ذہانت پر چھوڑ دیا ہے۔

یعنی وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے شرح صدر عطا فرمایا یعنی اسلام کے لیے اس کے دل کی کیفیت اس طرح کی ہوگئی ہے کہ اس کے دل میں اسلام کی کسی بات کے بارے میں کوئی خلجان یا تذبذب یا شک وشبہ پیدا نہیں ہوتا۔ اسے قرآن وسنت کی ہر بات اپنے دل کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ شرعی تقاضے اسے طبعی تقاضے معلوم ہوتے ہیں اور اسلام کی راہ میں پیش آنے والا ہر خطرہ اور نقصان اس کے لیے ایک جانی پہچانی چیز بن جاتا ہے۔ بڑے سے بڑے خطرے کو انگیخت کرنا اور برداشت کرنا اس کے لیے نہایت سہل ہوجاتا ہے۔ وہ ہر آنے والی مشکل کو اللہ تعالیٰ کی یاد کا ذریعہ اور اپنی بندگی کے لیے چیلنج سمجھتا ہے۔

لیکن اس کے مقابلے میں دوسرا شخص وہ ہے جسے اسلام کی ہر بات اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ اسے اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کے بارے میں شبہات لاحق ہوتے ہیں۔ وہ اسلامی احکام کو اپنے لیے ناروا پابندیاں سمجھتا ہے۔ تو کیا یہ دونوں شخص برابر ہوسکتے ہیں؟ یقیناً نہیں ہوسکتے۔ اب یہ دوسرا شخص کبھی تو اسلام کے بارے میں

دل کی تنگی کا شکار ہوتا ہے یعنی اس کے دل کے اندر اسلامی احکام اتر نہیں پاتے۔ اور کبھی وہ دل کی نرمی سے محروم ہو کر اس طرح کا ہو جاتا ہے کہ اس کے پہلو میں دل نہیں بلکہ پتھر ہے جو نہ کسی بات پر پسیجتا ہے اور نہ کسی دلیل سے قائل ہوتا ہے۔ ایسے پتھر دلوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ان کے سامنے ہوتا ہے تو بجائے اس کے کہ ان کے دلوں میں فرحت و انبساط پیدا ہو اور وہ شوق سے اس کی طرف بڑھیں، ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جیسے کسی چٹان سے کوئی چیز ٹکرا کے واپس آجائے۔

ارشاد فرمایا، کہ یہی وہ لوگ ہیں جو کھلی گمراہی میں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قریش پر تعریض کی جارہی ہے کہ ان پر چونکہ آنحضرت ﷺ کی کوئی بات اثر نہیں کر رہی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پہلو میں دل نہیں بلکہ پتھر ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ وحی الٰہی بارش کی مانند ہے۔ بارش برستی ہے تو جس زمین میں صلاحیت ہوتی ہے وہ اس سے مستفید ہوتی ہے اور لہلہا اٹھتی ہے لیکن جو بنجر ہوتی ہے اس کی ویرانی میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ان کے کفر اور انکار سے آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے یہ اپنی فطری صلاحیتیں کھو چکے ہیں اس لیے یہ آپ اور قرآن کے فیض سے محروم ہی رہیں گے۔ (تفسیر روح القرآن)

قرآن کریم کے اوصاف و کمالات

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَاباً مُّتَشَابِهاً مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَن يُضْلِلْ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ{۲۳}الزمر.

جواب ترجمہ: اللہ نے بڑا اچھا کلام نازل فرمایا جو ایسی کتاب ہے جس کی باتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں، اس سے ان لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں

جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے اس کے ذریعہ وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے یہ بہترین کلام نازل کیا ہے، جسے قرآن کریم اور فرقان حمید کہا جاتا ہے، یہ ایسی عجیب کتاب ہے جس کی باتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں، اس کے احکامات آپس میں یگانگت رکھتے ہیں، ان میں باہمی کوئی اختلاف نہیں ہے، اس میں قصص اور احکام بیان کیے جاتے ہیں، اس میں دلائل اور براہین کے دریا موجزن اور متلاطم ہیں، اس میں ایسا رعب و جلال ہے کہ سننے والے کے رونگھٹے کھڑے کر دیتا ہے۔

جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں وہ جب اسے سنتے ہیں تو ان کی چمڑیوں میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اس میں ترہیب اور وعیدات کا بیان ہے، اس کلام ربانی میں جہاں ترہیب و وعیدات ہیں وہاں خوشخبریاں اور بشارتیں ہیں ان خوش بخت، بلند اختر لوگوں کے لیے جو اس کلام ربانی سے اثر لیتے ہیں، اس کی سنہری اور روشن تعلیمات کو حرز جاں بناتے ہیں۔

قرآن کریم میں یہ اثر انگیزی ہے کہ اسے سن کر، اسے پڑھ کر انسانی دل پسیج جاتے ہیں، دلوں میں نرمی اور گداز پیدا ہوتا ہے، قرآن کریم کا یہ تاثر اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کے لیے ہدایت کا سامان ہے، اور یہی قرآن وہ کلام ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی منشا اور مرضی کے مطابق جسے چاہتے ہیں ہدایت کی دولت سے مالا مال کر دیتے ہیں، اور ازروئے حدیث یہی وہ کلام ہے جس کے ذریعے اللہ بہت سے لوگوں کو اوج ثریا تک پہنچاتا ہے اور بہت سے لوگوں کو اوج ثریا سے ذلت کی کھائیوں میں اتار پھینکتا ہے، یہ سزا انہیں ان کے کفر و عناد کی وجہ سے ملتی ہے، جب یہ اس قدر قعر مذلت میں گر جاتے ہیں تو پھر انہیں ہدایت دینے والا بھی کوئی نہیں ہوتا اور انہیں توفیق بھی نہیں ملتی۔

شیخ ابو محمد عبد الحق تفسیر حقانی کے مصنف لکھتے ہیں کہ

قرآن مجید کو جو سب کلاموں سے عمدہ ہے، اس کو اللہ نے نازل کیا ہے۔ کلام میں ایک شان ہوتی ہے جو خود بتلادیا کرتی ہے کہ یہ کس کا کلام ہے، اسی لیے یہ مقولہ مشہور ہے۔ کلام الملوک ملوک الکلام۔

اب قرآن مجید کو بغور دیکھو کہ وہ کیا بتلاتا ہے۔ کلام میں دو حسن ہوا کرتے ہیں، ایک ظاہری وہ کیا فصاحت و بلاغت جو طبائع بشریہ کو اپنے مقناطیسی جذب سے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ دوسرا معنی وہ کیا اس کے مطالب کی عمدگی جو انسانی حالات اور اس کے جذبات اور اس کے تمام مقاصد کو جو دار آخرت سے تعلق رکھتے ہوں، حاوی ہو۔ انہیں طریقوں سے جو شہنشاہوں کے کلام میں ہونے چاہییں۔

پس یہ دونوں باتیں قرآن مجید میں اس خوبی کے ساتھ ہیں کہ جس کا نظیر نہیں اس لیے خدا تعالیٰ نے بھی یہاں ایک ہی لفظ میں اشارہ کر دیا، یعنی احسن الحدیث میں۔

دوسرا وصف اس کا ایک یہ ہے کہ وہ متشابہاہے کہ جس آیت کو دیکھئے ایک دوسرے سے اس خوبی میں مشابہ ہے، یہ نہیں کہ دس پانچ مقامات میں تو الٰہیات کا جلو نمودار ہو اور دوسرے مقامات میں شہوت انگیز اور سلف میں عیب لگانے والے قصے اور بے سود افسانے اور توہمات کی شاعرانہ طور پر بندشیں جیسا کہ توریت وانا جیل موجودہ اور وید و دساتیر کے ملاحظہ سے ظاہر ہے اور نیز یہ بھی ہے کہ احکام و تذکیر میں کتب سابقہ منزل من اللہ کے مشابہ ہے۔

پہلے جو احسن القول کا ذکر تھا۔ یہاں بتلایا گیا کہ وہ قرآن مجید ہے۔ تیسرے مثانی اس میں قصص و مواعیظ و احکام لوگوں کے سمجھانے کے لیے مکرر یعنی بار بار نئے نئے اسلوب سے مذکور ہوئے ہیں، مگر پھر بھی کمال بلاغت ہے یا یہ مراد کہ قرآن بار بار پڑھا جاتا ہے۔ اس کی حلاوت مکرر پڑھنے کی طرف مجبور کرتی ہے اور دل پر گراں نہیں گزرتا اور کلاموں میں یہ بات نہیں، ایک بار پڑھ کر دوبارہ پڑھنے کو دل نہیں چاہتا، برخلاف قرآن مجید کے۔

یا یہ مراد کہ قرآن میں ہر بیان دوہرا ہے امر ہے تو نہی بھی، جنت کا ذکر ہے تو دوزخ کا بھی ہے۔ وقس علیہ۔

چوتھے **تقشعر منہ** اس کے پڑھنے سے دل پر خوف طاری ہوتا ہے۔ بدن پر خدا ترسوں کے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قوت بہیمیہ پست ہوتی ہے، ملکیت کو غلبہ ہوتا ہے، ایسے وقت میں انقلاب کا اثر جسم پر بھی ہوتا ہے۔ یہ روحانی اور معنوی صفت ہے جو کلام الٰہی کو لازم ہے۔

ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ

اس کے بعد ذکر الٰہی اور اس کے انس سے ان کے دل نرم ہوتے ہیں۔ یعنی اطمینان ہوتا ہے۔ جلال کے مشاہدہ سے جس طرح خوف تھا اسی طرح جمال کے مشاہدہ سے سکون پیدا ہوتا ہے۔ فرماتا ہے ذلک یہ قرآن اللہ کی ہدایت ہے، اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جس کو اس سے بدنصیبی ہے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

اس کے بعد یہ بتلاتا ہے کہ جو قرآن سے نفع اٹھاتا ہے۔ آتش جہنم کو اپنے منہ سے روکتا ہے، یعنی دور کرتا ہے۔ قیامت کے روز پھر کیا وہ اس کے برابر ہے جو عذاب میں گرفتار ہوگا اور ان ظالموں کو کہا جاوے گا کہ اپنے بدعمل کا مزہ چکھو۔ (تفسیر حقانی)

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر در منثور میں حضرت قتادہؒ سے نقل کیا کہ

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

سے مراد ہے کہ یہ اولیاء اللہ کی تعریف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں روتی ہیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پکڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے عقلوں کے چلے جانے اور ان کی عقلوں پر پردہ پڑ جانے کو بیان نہیں کیا کیونکہ یہ چیزیں مبتدعین میں ہوتی ہے۔ اور شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ (تفسیر در منثور)

حضرت عبد اللہ بن عروہ بن زبیرؓ نے اپنی دادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کیسے کرتے تھے؟ جب وہ قرآن پڑھتے تھے تو انہوں نے کہا کہ وہ ایسے تھے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی کہ ان کی آنکھوں سے آنسوں بہتے تھے اور ان کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے تھے میں نے کہا یہاں تو کچھ لوگ ایسے ہیں جب وہ قرآن کو سنتے ہیں تو ان پر غشی طاری ہو جاتی ہے تو فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتی ہوں شیطان مردود سے۔(ابن المنذر، ابن ابی حاتم)

عامر بن عبد اللہ بن زبیرؒ سے روایت ہے کہ میں اپنی ماں کے پاس آیا اور میں نے کہا میں نے ایک قوم کو پایا کہ میں نے اس سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو ان میں سے ایک کانپنے لگتا ہے یہاں تک کہ اس پر غشی طاری ہو جاتی ہے اللہ کے خوف سے تو انہوں نے کہا ان کے ساتھ مت بیٹھ پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے اور میں نے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ قرآن پڑھتے تھے تو یہ حالت ان کو نہ پہنچتی تھی کیا تو ان لوگوں کو ابو بکرؓ اور عمرؓ سے زیادہ ڈرنے والا دیکھتا ہے۔(تفسیر در منثور)

قیس بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ بے ہوش ہو جانا شیطان کی طرف سے ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ، تفسیر در منثور)

ابراہیمؒ سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں روایت کیا جو روشنی کو دیکھتا تھا یہ شیطان کی طرف سے ہے، اگر یہ خیر کو دیکھتا تو اہل بدر اس کے زیادہ مستحق تھے۔(ایضا)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

إِذَا اقشَعَرَّ جِلدُ العَبْدِ مِن خَشيَةِ اللهِ تَحَاتَت عَنهُ خَطَايَاه كَمَا تَحَات عَن الشَّجَرَة البَالِيَةِ وَرَقهَا(نوادرالاصول)

جب کسی آدمی کے رونگھٹے کھڑے ہو جائیں اللہ کے خوف سے تو اس سے اس کے گناہ اسی طرح گر جاتے ہیں جیسے پرانے درخت سے اس کے پتے گر جاتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

لَيْسَ من عبد على سَبِيل ذكر سنة ذكر الرَّحْمَن فاقشعر جلده من مَخَافَة الله تَعَالَى إِلَّا كَانَ مثله مثل شَجَرَة يبس وَرقهَا وَهِي كَذَلِك فاصابتها ريح تحات وَرقهَا كَمَا تحات عَن الشَّجَرَة البالية وَرقهَا وَلَيْسَ من عبد على سَبِيل وَذكر سنة وَذكر الرَّحْمَن فَفَاضَتْ عَيناهُ من خشيَة الله إِلَّا لم تمسه النَّار أبدا(نوادرالاصول،تفسير درمنثور)

کوئی بندہ ایسا نہیں جو اللہ کے راستے میں جہاد کر رہا ہو وہ سنت کا ذکر کرے اور رحمن کا ذکر کرے تو اللہ کے خوف سے اس کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے تو اس کی مثال اس درخت کی طرح جس کے پتے سوکھے ہوں اور وہ اسی طرح ہو کہ اس کو ہوا پہنچ جائے اور اس کے پتے اس طرح گرتے ہیں جیسے، پرانے درخت سے اس کے پتے گرتے ہیں (اسی طرح اس کے گناہ بھی گر جائیں گے) اور کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہو وہ سنت کا ذکر کرے اور رحمن کا ذکر کرے (یہ سن کر) اس کی آنکھیں اللہ کے خوف سے بہہ جائیں تو اس کو کبھی بھی آگ نہیں چھوئے گی۔

بندہ عاجز وفقیر (محمود الرشید حدوٹی) نے اپنی کتاب قرآن اور حاملین قرآن کے آخر میں ان خوش نصیبوں کا ذکر کیا ہے، جو قرآن کریم کے ساتھ محبت رکھتے تھے، حضرات خلفاء راشدین کی قرآن کریم سے محبت، شغف اور عشق سے متعلق میں نے اپنی کتاب میں چند صفحات تحریر کیے انہیں یہاں نقل کرتا ہوں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قرآن سے محبت: حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی قرآن کریم کے ساتھ بہت ہی شغف رکھتے تھے، وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے کرتے روپڑتے تھے، اس قدر روتے تھے کہ اپنے آنسو پر قابو نہیں پاسکتے تھے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوئے اوران کی بیماری نے شدت اختیار کی تو ارشاد فرمایا کہ ابو بکر سے کہیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تو انہوں نے خدمت نبوی میں عرض کی کہ

يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيقٌ لَا يَمْلِكُ دَمْعَهُ، وَإِنَّهُ إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ بَكَى
یارسول اللہ! بے شک ابو بکر رضی اللہ عنہ نرم دل والے آدمی ہیں، وہ اپنے آنسوؤں پر کنٹرول نہیں کرسکتے، جب وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تورو پڑتے ہیں۔(مسند احمد بن حنبل)

بخاری شریف میں یوں الفاظ ہیں

إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيقٌ، إِذَا قَرَأَ غَلَبَهُ البُكَاءُ (بخاری)
بے شک ابو بکر رضی اللہ عنہ نرم دل آدمی ہیں، جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں توان پر رونے کاغلبہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چونکہ بیٹی ہیں اور بیٹی کے سامنے اپنے والد کے تمام احوال ہوتے ہی ہیں اس لیے انہوں نے اپنے والد گرامی کی عمومی حالت بیان کی ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کے دوران رونے لگتے ہیں۔

علامہ ابو یحیٰ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب التبیان فی آداب حملۃ القرآن میں حضرت ابو صالح رضی اللہ عنہ کی ایک روایت لائے ہیں، حضرت ابو صالح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
قَدِمَ نَاسٌ مِّن أَهلِ اليَمَن عَلى أَبِي بَكر الصِّدِّيق رضي الله عنه فَجَعَلُوا يَقرَؤُونَ القُرآنَ وَيَبكُونَ فَقَالَ أَبُو بَكر الصِّدِّيق رَضِيَ الله عَنهُ هٰكَذَا كُنَّا
یمن والوں میں سے کچھ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، انہوں نے قرآن پڑھنا اوررونا شروع کر دیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔(التبیان)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قرآن سے شغف: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہا تھا، میں مردوں کی اس آخری صف میں تھا جس کے بعد عورتوں ہی کی صف ہوتی ہے، آپ سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے

قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (٨٦)

(حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا) میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس اپنے اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔ (سورۃ یوسف)

تو آپ رضی اللہ عنہ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ مجھے ان کی ہچکیوں کی آواز دور سے سنائی دی ۔(قیام اللیل محمد بن نصر مروزی ص ۱۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بھی روایت ہے کہ

غَلَبَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، الْبُكَاءُ فِي صَلاةِ الصُّبْحِ حَتَّى سَمِعْتُ نَحِيبَهُ مِنْ وَرَاءِ ثَلاثَةِ صُفُوفٍ(قیام اللیل ص ۱۴۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر صبح کی نماز میں ایک مرتبہ ایسا گریہ طاری ہوا کہ میں نے ان کی ہچکی کی آواز تین صفوں کے پیچھے سنی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَمُرُّ بِالآيَةِ مِنْ وِرْدِهِ بِاللَّيْلِ فَيَبْكِي حَتَّى يَسْقُطَ وَيَبْقَى فِي الْبَيْتِ حَتَّى يُعَادَ لِلْمَرَضِ(قیام اللیل ص ۱۴۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے رات کے ورد میں کبھی کبھی کوئی آیت پڑھتے تو اتنا روتے کہ گر جاتے اور آپ کو گھر میں اتنا ٹھہرنا پڑتا کہ لوگ عیادت کے لیے آتے تھے۔(قیام اللیل)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قرآن سے محبت: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قرآن سے محبت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، وہ جس لمحے شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے اس وقت بھی قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھے، بلوائیوں نے سارے گھر کو محاصرے میں لے لیا تھا اس کے باوجود وہ بہت ہی اطمینان سے تلاوت قرآن میں مشغول رہے، وہ بہت زیادہ قرآن کی تلاوت کرتے تھے اسی لیے تو ان کے پاس قرآن کریم کا جو نسخہ تھا وہ کثرت تلاوت کی وجہ سے کافی پرانا ہو چکا تھا۔

حضرت محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب قیام اللیل اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فضائل قرآن میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن کریم پڑھ لیا کرتے تھے۔(فضائل قرآن)

اور کیوں نہ ایسا ہوتا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہی ان روایات کے راوی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآن کریم پڑھے اور اسے پڑھائے، انہی سے روایت ہے تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے، ایک روایت میں خَیرُکُم کا جملہ ہے، دوسری روایت میں اَفضَلُکُم کا جملہ ہے۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پوری رات ایک رکعت میں گزار دیتے تھے، جس میں وہ پورا قرآن کریم پڑھ لیتے تھے۔(الاستیعاب ج۲)

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہارے دل پاک ہو جائیں تو تم کو کبھی کلام اللہ سے سیری نہ ہو، میں نہیں چاہتا کہ میری عمر میں کوئی دن ایسا گزرے جس میں مجھے قرآن کریم دیکھ کر پڑھنے کی نوبت نہ آئے۔(حیاۃ الصحابہ ج۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز میں سورۂ یوسف کی بہت زیادہ تلاوت کیا کرتے تھے، شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی کہنا پڑا کہ مجھے سورۃ یوسف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنے سے زبانی یاد ہو گئی تھی۔(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء شاہ ولی اللہ ص۱۲۸)

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی قرآن سے محبت: حضرت علی رضی اللہ عنہ کیوں نہ قرآن کے عاشق ہوتے کہ ان کے گھر میں قرآن کا نزول ہوتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے ایک فرد تھے، اپنا اکثر وقت قرآنِ کریم کی تلاوت میں گزارتے تھے، قرآنی آیات میں غور و فکر کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ایک روایت میں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ علی علم کا دروازہ ہیں اور میں علم کا شہر ہوں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب المرتضیٰ میں لکھتے ہیں ، ابو عمر ابوطفیل کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس وقت دیکھا جب لوگوں سے خطاب فرمارہے تھے اور کہہ رہے تھے کتاب اللہ کے بارے میں جو چاہو پوچھ لو، بخدا قرآن کریم میں کوئی بھی ایسی آیت نہیں ہے جس کے بارے میں مجھے یہ نہ معلوم ہو کہ یہ رات کو نازل ہوئی ہے یا دن کو (ہموار) راستے میں چلتے ہوئے نازل ہوئی ہے یا اس وقت جب آپ کسی پہاڑی پر تھے ۔(ازالۃ الخفاء بحوالہ المرتضیٰ ص ۳۳۳)

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مطالعۂ قرآن میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو وفات نبوی کے بعد قرآن شریف کے حفظ میں اتنا انہماک ہوا کہ کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلے (الاستیعاب ج ۲ ص ۴۷۷، بحوالہ مطالعۂ قرآن کے اصول ومبادی)

حلیۃ الاولیاء میں ابو نعیمؒ نے ایک روایت نقل کی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْسَمْتُ، أَوْ حَلَفْتُ أَنْ لَا أَضَعَ رِدَائِي عَنْ ظَهْرِي حَتَّى أَجْمَعَ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ، فَمَا وَضَعْتُ رِدَائِي عَنْ ظَهْرِي حَتَّى جَمَعْتُ الْقُرْآنَ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا تو میں نے قسم کھائی کہ دو پٹھوں کے درمیان جو قرآن ہے جب تک میں اس سارے کو جمع نہیں کرلوں گا اُس وقت تک میں اپنی پیٹھ سے چادر نہیں اتاروں گا (یعنی آرام نہیں کروں گا) چنانچہ جب تک میں نے سارا قرآن جمع نہیں کرلیا (یعنی یاد نہیں کرلیا) اپنی پیٹھ سے چادر نہیں اتاری، بالکل آرام نہیں کیا۔

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ قرآنی سمندر میں غوطہ زن تھے ، اسی لیے تو لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمارہے تھے

وَاللّٰهِ مَا نَزَلَتْ آيَةٌ إِلَّا وَقَدْ عَلِمْتُ فِيمَا أُنْزِلَتْ، وَأَيْنَ أُنْزِلَتْ، إِنَّ رَبِّي وَهَبَ لِي قَلْبًا عَقُولًا، وَلِسَانًا سَؤُولًا (حلية الاولياء ۱/۶۷)

اللہ کی قسم! کوئی آیت ایسی نہیں اتری مگر میں اس کے بارے میں جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ کہاں نازل ہوئی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے عقل والا دل عطا فرمایا ہے اور بہت زیادہ سوال کرنے والی زبان عطا فرمائی ہے۔

قرآن کریم اور عربی زبان

سوال ان آیات قرآن کریم کی تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (۲۷) قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (۲۸)الزمر

جواب ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی خاطر ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں، تاکہ لوگ سبق حاصل کریں۔ یہ عربی قرآن جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، تاکہ لوگ تقوی اختیار کریں۔

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں

چونکہ مثالوں سے باتیں ٹھیک طور پر سمجھ میں آجاتی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہر قسم کی مثالیں بھی بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ سوچ سمجھ لیں۔ چنانچہ ارشاد ہے

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (الروم :۲۸)

اللہ نے تمہارے لئے وہ مثالیں بیان فرمائی ہیں جنہیں تم خود اپنے آپ میں بہت اچھی طرح جانتے بوجھتے ہو۔

ایک اور آیت میں ہے

وَتِلْكَ الأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلا الْعَالِمُونَ [الْعَنْكَبُوتِ:۴۳]

ان مثالوں کو ہم لوگوں کے سامنے بیان کر رہے ہیں علماء ہی انہیں بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا : یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجی اور کوئی کمی نہیں واضح دلیلیں اور روشن حجتیں ہیں۔ یہ اس لئے کہ اسے پڑھ کر سن کر لوگ اپنا بچاؤ کرلیں۔ اس کے عذاب کی آیتوں کو سامنے رکھ کر برائیاں چھوڑیں اور اس کے ثواب کی آیتوں کی طرف نظریں رکھ کر نیک اعمال میں محنت کریں۔

محترمہ رفعت اعجاز اپنی تفسیر مفہوم القرآن میں لکھتی ہیں

پچھلی آیات میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ قرآن پاک میں انسان، اس کی زندگی، زندگی گزارنے کے اصول اور پوری کائنات کے بارے میں بڑی وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے تاکہ بندے کو مشکلات کا سامنانہ کرنا پڑے۔ اسی لیے پیغمبر کی زبان کے مطابق آسمانی کتاب نازل ہوتی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ عرب میں پیدا ہوئے پلے بڑھے اور عرب ہی آپ کے اردگرد رہتے تھے۔

ظاہر ہے مادری زبان کو سمجھنا بے حد آسان ہوتا ہے۔ پھر یوں سمجھ لیجئے کہ یہ قرآن کی ہی برکت ہے کہ عربی زبان ۱۵ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی تبدیل نہیں ہوئی جبکہ یہ اصولی بات ہے کہ ہر زبان وقت کے ساتھ ساتھ اس قدر بدل جاتی ہے کہ اس کی گرامر، تشبیہات، تمثیلیں، محاورے بلکہ الفاظ کی شکل لہجہ اور معنی تک تبدیل ہو جاتے ہیں اور پانچ سو سال میں تو وہ یا معدوم ہو جاتی ہے یا بالکل ناقابل فہم ہو جاتی ہے۔ مگر سبحان اللہ قرآن کی زبان، عبارت اور لہجہ میں معمولی سا فرق بھی نہیں آیا اور یہ ایک معجزہ سے کم نہیں۔

ہم بڑے دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ عربی زبان نہ صرف فصاحت، بلاغت، ترنم اور جامعیت کے لحاظ سے بے مثال ہے بلکہ یہ ایک غیر متبدل (نہ بدلنے والا) ہونے کی خاصیت بھی رکھتی ہے۔ اس کی مثال موجودہ نشرواشاعت کے ادارے بھی ہیں۔ وہی معیاری زبان ریڈیو، ٹی وی اور رسائل وکتب میں استعمال کی جاتی ہے جس کی بنیاد ۱۴ سو سال پہلے موجود تھی۔ لوکل لینگویج میں کچھ تبدیلی ہو تو ہو سٹینڈرڈ زبان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

یہ ایک خالص ترین زبان ہے، لہٰذا عربی زبان سے محبت کرنی چاہیے کیونکہ
① نبی اکرم سیدنا محمد ﷺ کی زبان عربی ہے۔ ②۔ قرآن عربی میں ہے۔
③۔ جنتیوں کی زبان عربی ہوگی۔ تو یہ سب باتیں ہیں قرآن کے عربی زبان میں نازل ہونے کی۔

(اس کی وجہ یہ ہے کہ)، عرب لوگ زبان کے بارے میں بڑے محتاط ہوتے تھے اور بعثت سے پہلے عرب میں شعر و شاعری کی بڑی زبردست محفلیں منعقد ہوتی تھیں اس زمانے میں جب آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور قرآن پاک کا نزول ہو چکا تو عام رواج کے مطابق سورۂ کوثر خانہ کعبہ کے دروازے پر لکھ کر لگا دی گئی۔ لبید بن ربیعہ جو کہ اس وقت ملک الشعراء کہلاتا تھا۔ اپنا کلام لے کر گیا کہ خانہ کعبہ کے دروازے پر لگاؤں جب اس نے سورۃ کوثر پڑھی تو کلام کی عظمت، بھیجنے والے کی عظمت اور لانے والے کی عظمت اس کے دل و دماغ پر یوں چھا گئی کہ سجدے میں گر پڑا اور ایمان لے آیا۔ قرآن کی جامعیت کی یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے۔

اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان لانا بھی قرآنی آیات کا ہی معجزہ تھا۔ بہر حال مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ عربی زبان سیکھنے کی پوری پوری کوشش کرے کیونکہ غیر عربی لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے علماء دین، فقہاء، محدثین اور بیشمار مترجمین کا بندوبست کر رکھا ہے، تاکہ کلام پاک کو غیر عربی لوگ بھی سمجھ سکیں اور اس پر عمل کر سکیں۔ جب انسان سمجھے گا تو پھر اللہ سے ڈر کر صاف ستھری زندگی گزارنے کا اہتمام کرے گا۔ اللہ ہمیں قرآن پڑھنے سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق دے آمین۔ کیونکہ اللہ کا مقصد تو صرف ہمیں آخرت کے عذاب سے بچانا ہے۔ اس کو ہماری عبادت کی ضرورت نہیں۔ اس کی عبادت سے تو صرف ہمارا اپنا ہی بھلا ہوگا۔ (مفہوم قرآن)

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں کہ

قُرآناً۔ یہاں پہلا وصف القران کا یہ بیان ہوا کہ وہ ایک پڑھی جانے والی چیز ہے، چنانچہ قیامت تک مسجدوں میں پڑھا جائے گا، محرابوں میں سنایا جائے گا، گھروں میں اور مدرسوں میں اس کی تلاوت ہوتی رہے گی، معتقدوں کا نہیں منکروں کا بیان ہے، کہ " قرآن " دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے، (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ قرآن، طبع یازدہم) "عَرَبِیًّا "۔یعنی فصیح وبلیغ واضح، وَالمُرَادُ اَنَّہ اَعجَزَ الفُصَحَاءَ وَالبُلَغَاءَ عَن مَعَارِفِہ (کبیر)(آیت) "غیر ذی عوج "۔یعنی جس کے اندر کجی کسی طرح کی بھی نہیں، نہ لفظی نہ معنوی، یہ قرآن مجید کا تیسرا وصف بیان ہوا۔(ماجدی)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

یعنی ان کا نہ سمجھنا اپنی غفلت اور حماقت سے ہے۔ قرآن کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں قرآن تو بات بات کو مثالوں اور دلیلوں سے سمجھاتا ہے تاکہ لوگ ان میں دھیان کر کے اپنی عاقبت درست کریں۔ قرآن ایک صاف عربی زبان کی کتاب ہے جو اس کے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی۔ اس میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں۔ سیدھی اور صاف باتیں ہیں جن کو عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ کسی طرح کا اختلال اور کجی اس کے مضامین یا عبارت میں نہیں۔ جن باتوں کو منوانا چاہتا ہے، نہ ان کا ماننا مشکل، اور جن چیزوں پر عمل کرانا چاہتا ہے نہ ان پر عمل کرنا محال، غرض یہ ہے کہ لوگ بسہولت اس سے مستفید ہوں۔ اعتقادی و عملی غلطیوں سے بچ کر چلیں۔ اور صاف صاف نصیحتیں سن کر اللہ سے ڈرتے رہیں۔(تفسیر عثمانی)

القاموس الوحید کے مقدمہ میں عمید الزمان قاسمی کیرانوی لکھتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ کو عرب وعجم، سب کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا، لیکن چونکہ آپ ﷺ خود عرب تھے اور آپ ﷺ کے اولین مخاطب بھی عرب تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم بھی تمام عربوں کی مشترکہ ومتحدہ زبان ولغت قریش ہی میں نازل کیا، اسلام نے اس زبان کو صلاۃ وزکوۃ اور صوم وحج جیسے خاص شرعی مفاہیم رکھنے والے الفاظ عطا کیے۔

اسی طرح مولانا کیرانویؒ لکھتے ہیں کہ

قرآن کریم لغت قریش میں نازل ہوا، اور چونکہ وہ عبادات اور تمام امور شریعت کا سرچشمہ ہے، اس لیے اس زبان کی پوزیشن اور زیادہ مضبوط اور اس کی بالادستی مزید و مستحکم ہوگئی، دین اسلام میں جو داخل ہورہے تھے وہ اس زبان کو کتاب اللہ کی زبان ہونے کی وجہ سے عظمت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس لیے اس کی قدر ومقبولیت مسلسل بڑھتی چلی گئی، اور نتیجہ کے طور پر اس کی اہمیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

متعدد اور متنوع مقامی بولیوں کے سلسلہ میں مختلف ادوار میں اجتماعی وسیاسی عوامل کے تغیر کی وجہ سے نقطہ نظر اور رویہ میں تبدیلیاں آتی رہیں، اسلام سے قبل کے دور کو جب ہم دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر قبیلہ اپنی عام گفتگو میں اپنی کلامی صفات کے استعمال کا اہتمام کرتا، اور اسی طرح ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے ساتھ گفتگو اور مخاطبت میں بھی اس کی پابندی کرتا، لیکن یہ چیز عوام کے ساتھ خاص تھی، جبکہ ان قبائل کے خواص اپنے اہم معاملات میں مکہ میں نشوونما پانے والی مثالی زبان ہی کا سہارا لیتے، چنانچہ شعر گوئی اور اپنے خطبوں اور مناظروں میں وہ اس زبان کا استعمال کرتے تھے۔

عکاظ کی طرح کے ادبی مقابلوں کے تمام شرکاء مقامی بولیوں کی صفات کے استعمال سے گریز کرتے تھے تاکہ لوگوں کی نظروں میں ان کا معیارِ کلام گرنے نہ پائے، چنانچہ مختلف قبائل کے سربراہ سوق عکاظ میں اپنی اپنی خاص بولیوں میں خطبہ دینا عیب سمجھتے تھے، جبکہ یہی سربراہان قبائل اپنے اہل قبیلہ کے ساتھ دوران گفتگو اپنی بولی کے علاوہ کسی اور بولی میں بات چیت کرنا معیوب بھی سمجھتے تھے، یہی طریقہ بلااستثناء تمام قبائل عرب میں دائر وسائر تھا، بنابریں دور جاہلیت کی ایسی روایات نہیں ملتی ہیں، جن میں کسی بھی قبیلہ کی صفات کلامی کا مذاق اڑایا گیا ہو۔

چونکہ اسلام عرب عوام وخواص دونوں کے لیے بلکہ پوری نوع انسانی کے لیے ایک عمومی پیغام تھا اور اس کا مقصد عوام وخواص کے قلوب کو جوڑنا تھا، اس لیے قرآن کو بعض قبائل کی کچھ بولیوں کی خصوصیات کے ساتھ پڑھنا جائز قرار دیا گیا، اس میں حکمت الٰہی بھی تھی کہ بعض عرب عوام کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

اس حدیث شریف میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے،

إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ

قرآن نازل کیا گیا سات حرفوں پر، اس کا مقصد عرب عوام کی آسانی اور ان کی تالیف قلب تھی۔

اس طرح قران کریم اگرچہ ایک ہی بولی اور ادب کی متحدہ زبان ہی میں نازل ہوا، لیکن تلاوت میں اس متحدہ زبان کے کچھ قواعد کی، مخصوص جگہوں پر خلاف ورزی بھی جائز قرار دی گئی۔ (مقدمہ القاموس الوحید للکیرانویؒ)

عرب کے استاذ عباس محمود العقاد مقدمۃ الصحاح میں لکھتے ہیں

اکثر کہا جاتا ہے کہ عربی زبان کی بقاء اس کی حقیقت کی رہین منت ہے کہ وہ قرآن کریم کی زبان ہے، بلاشک وشبہ یہ ایک صحیح بات ہے، لیکن قرآن کی وجہ سے اس کو جو بقا ودوام حاصل ہوا اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام کسی ایک قبیلہ یا ایک قوم کا مذہب نہیں بلکہ وہ پوری نوع انسانی کا دین ہے، اس بات کی دلیل یہ ہے کہ عبرانی زبان مردنی کا شکار ہوگئی، حالانکہ وہ ایک مذہبی زبان ہے، یا یوں کہیے کہ وہ ایک ایسی کتاب کی زبان ے جس کو ماننے والی قوم موجود تو ہے لیکن وہ اس زعم میں مبتلا ہے کہ اللہ کی جانب سے خطاب کے لیے صرف وہی مخصوص ہے اور کوئی اس کا سزاوار نہیں، عبرانی زبان کی موت اسی لیے ہوئی کہ اس میں وہ نرمی ولچک باقی نہیں رہی جس کے ذریعہ وہ عصبیت کے اس تنگ دائرہ سے نکلتی جس کو اس کے بولنے والوں نے صدیوں قبل اس کے گرداگرد بنایا تھا اور جو آفاقی زبان بننے کے لیے ازبس ضروری تھی۔

اسلام نے فضیلت کو انسانیت کے لیے عام کیا اور اعلان کیا کہ کسی عربی وعجمی اور قریشی و حبشی میں کوئی فرق نہیں، اسلام کی اسی انسانی فضیلت نے عربی زبان کی خدمت کے لیے خود اہل عجم کو آمادہ کیا، ان کو ڈر ہوا کہ کہیں عربی زبان عجمیت سے متأثر نہ ہو جائے، یعنی ان کو عربی زبان کے سلسلے میں خود اپنی مادری زبانوں سے خطرہ محسوس ہونے لگا، کیونکہ اسلام کی کتاب قرآن کریم پر ایمان رکھنے والوں کے درمیان مساوات کی بناپر عربی زبان کی بھی برابر کی زبان تھی۔

اگر یہ کتاب یعنی قرآن عصبیت کی حامل ہوتی اور ورثہ دین میں ایک مخصوص زبان کے بولنے والوں کے علاوہ کسی کو شریک نہ کرتی، تو اہل عجم میں عربی کے سلسلہ میں ابناء قحطان وعدنان کی سی غیرت وحمیت پیدا نہ ہوتی۔ (مقدمہ الصحاح)

استاذ احمد عبد الغفور عطارؒ اپنی تالیف مقدمۃ الصحاح میں لکھتے ہیں

بلاشبہ عربی زبان اسلام کے اور عہد اول میں اپنی عظمت کی بلندیوں کو پہنچی، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دین کا ایک حصہ بن گئی تھی، لیکن اہل زبان دور جاہلیت ہی سے عربی کو مرکز توجہ بنائے ہوئے تھے، البتہ اس اہتمام و توجہ میں نمایاں اضافہ طلوع اسلام کے بعد ہوا، چنانچہ عہد نبوت اور اسلام کے دور اول میں لوگوں نے عربی کو بہت زیادہ اہمیت دی اور ان کو اس کی چاہت کے ساتھ حفاظت کی فکر دامن گیر رہنے لگی، کیونکہ قرآن، مذہب اور رسول صادق وامین کی زبان تھی۔ (مقدمہ الصحاح)

حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں آتا ہے کہ بعض عربی الفاظ ان کے سامنے بھی اجنبی تھے، وہ اس طرح کے الفاظ کے بارے میں استفسار کر کے جاننے والوں سے پوچھ لیتے تھے، جیسے حضرت نبی کریم ﷺ اپنے فرمان گرامی میں کوئی اس طرح کا لفظ استعمال فرمادیتے جس کا مطلب اور مفہوم صحابہ کرامؓ کے لیے اجنبی ہوتا تو وہ عرض کر دیتے تھے کہ یارسول اللہ! اس کا کیا مفہوم ہے؟

حضرت عمر فاروقؓ منبر پر خطبہ دے رہے تھے، دوران خطبہ ایک قرآنی آیت تلاوت کی جس میں تخوف کا لفظ تھا، حضرت عمر فاروقؓ نے حاضرین سے پوچھا کہ تخوف کا کیا معنیٰ ہے؟ سننے والے سب خاموش ہوگئے، قبیلہ ہذیل کے ایک جانکار آدمی تھے وہ بولے کہ اس لغت کا تعلق ہماری زبان سے ہے، اور اس کے معنیٰ تنقص کے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ نے اس بات کو کافی نہیں سمجھا بلکہ پھر پوچھا کہ کیا عربوں کے اشعار میں اس کا استعمال موجود ہے؟ سننے والوں نے کہا کہ جی ہاں! اس کا استعمال عربوں کے اشعار میں موجود ہے۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ ایک بار منبر پر خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے قرآن کریم کی آیت وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا تلاوت کی، اس میں جو لفظ اب استعمال ہوا، حضرت عمر فاروقؓ کو اس کا معنیٰ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔

مولا علیؓ شیر خدا، جن کو باب علم کہا گیا، ایک دن نبی کریم ﷺ کو سن رہے تھے جب کہ آپ ﷺ بنو نہد کے ایک وفد سے خطاب کررہے تھے، حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ سے عرض کرنے لگے، یارسول اللہ! ہم ایک باپ کی اولاد ہیں، پھر بھی ہم آپ کو عربوں سے ایسی گفتگو کرتے ہوئے سنتے ہیں، جس میں سے بہت سا حصہ ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ (المعاجم اللغویہ)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بحر علم تھے، اس کے باوجود انہیں قرآن کریم کی ایک آیت میں موجود لفظ فاطر کے بارے میں استفسار کرنا پڑا۔ (المعاجم اللغویہ)

حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ اشعار عربوں کا دیوان ہیں، اگر اللہ کے اتارے ہوئے قرآن میں کوئی لفظ ہم پر واضح نہیں ہوتا ہے تو ہم اس کی واقفیت کے اشعار سے رجوع کرتے ہیں، آپ کا فرمان ہے کہ جب قرآن میں کوئی چیز سمجھ میں نہ آئے تو اشعار (اس کے معنیٰ کی تلاش کے لیے) میں غور کرو، کیونکہ اشعار عربی ہیں۔

قادرالکلاموں پر قرآنی غلبہ: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگروں کا جادو چل رہا تھا، ان کا شہرہ تھا، اسی لیے اللہ نے حضرت موسیٰ کو ایسے معجزات سے نوازا جو ان جادوگروں کے طلسم کو علی روؤس الاشہاد (سب کے سامنے) توڑ رہے تھے، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بہت شہرہ تھا، اللہ نے اپنے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کو معجزات بھی ایسے عطا فرمائے جو ان طبیبوں کے مقابلے میں اعلیٰ درجے پر دکھائی دیتے تھے۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ کے زمانے میں اور آپ ﷺ سے پہلے لوگوں کو اپنی زبان دانی پر بڑا فخر تھا، وہ فصاحت وبلاغت کی انتہاؤں کو چھو رہے تھے، اشعار میں عربی اسلوب کے مطابق تصرف کرتے تھے، وہ میلوں اور بازاروں میں اشعار پڑھتے اور ان پر باہمی فخر وافتخار کرتے تھے، آقائے دوجہاں ﷺ کو اللہ نے معجز نما کلام عربی زبان میں عطا فرمایا، جو انتہائی فصیح زبان ہے، سارے کلاموں سے عربی کی فصاحت زیادہ ہے، یہ اصدق الکلام ہے، یہ احسن الکلام ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عربوں کو چیلنج کیا کہ وہ اس قرآن کریم جیسی دس سورتیں لائیں مگر وہ نہ لاسکے، اللہ نے انہیں ایک سورۃ اس جیسی لانے کا چیلنج کیا تو ایک سورت لانے سے عاجز ہوئے، حالانکہ قرآن کریم ہجائی حروف کے ساتھ ہی مزین ہے اور ایسے الفاظ ومعانی سے مزین ہے جن کے معنیٰ اور مفہوم سے وہ لوگ بھی ناآشنا تھے، اس لیے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

جو لوگ نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سنتے تھے وہ کہتے تھے کہ انہیں کوئی عجمی شخص پہلے پڑھاتا ہے پھر وہ اسے آکر ہمیں سنادیتے ہیں، یہ شخص جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ ایک عجمی شخص آپ ﷺ کو سکھاتا تھا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ شخص فاکہ بن مغیرہ کا غلام تھا، جس کا نام جبر تھا، یہ نصرانی تھا اور بعد میں مسلمان ہوگیا تھا، بعض کہتے ہیں کہ یہ شخص بنی حضرمی کا غلام تھا جس کا نام یعیش تھا، یہ شخص عجمی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا، بعض کہتے ہیں کہ یہ شخص بنی عامر بن لوئی کا غلام تھا، بعض کہتے ہیں کہ

یہ دو غلام تھے جن میں سے ایک کا نام یسار تھا اور دوسرے کا نام جبر تھا، یہ دونوں صیقل گر تھے جو تلواروں کی صیقل گری کرتے تھے، یہ کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، بعض کے نزدیک یہ تورات اور انجیل پڑھتے رہتے تھے۔(اضواءالبیان)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان لوگوں کے جھوٹ کی قلعی کھول دی کہ میرے نبی ﷺ ایسا نہیں کرتے تھے، ان لوگوں کی سنی ہوئی باتیں لوگوں کو نہیں سناتے بلکہ آسمانی وحی لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

یہ لوگ یوں کہا کرتے تھے کہ جس شخص سے آپ ﷺ قرآن سنتے ہیں وہ تو عجمی ہے اور خود یہ عربی ہے، یعنی ان کے اس شخص سے سیکھنے کی کیا حیثیت ہے جب کہ وہ عربی زبان نہیں جانتا ہے، جب کہ قرآن کریم واضح، فصیح عربی زبان ہے، جس میں عجمیت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی کذب بیانیوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر یہ قرآن کریم عجمی زبان میں ہوتا تو یہ لوگ اسے بھی جھٹلا دیتے، اور کہتے کہ یہ قرآن عجمی کیسے ہو سکتا ہے جب کہ یہ پیغمبر خود عربی ہیں؟ اسی طرح اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ قرآن عجمی ہوتا تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیات واضح کیوں نہیں ہیں؟ اور یوں کہتے کہ کلام عجمی ہے جب کہ اس کلام کو سنانے والا عربی زبان والا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے تو انہیں اعتراض ہو رہا ہے کہ قرآن کریم عربی میں ہے، اس کو پڑھانے والا اور سکھانے والا عجمی ہے اس لیے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے، اگر یہ عجمی میں ہوتا تو بھی یہ لوگ اسے جھٹلا دیتے کہ ہمیں سمجھ ہی نہیں آتا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی ان انبیاء میں سے تھے جو عربی تھے، شرقی فلسطین میں عوض نامی جگہ میں رہتے تھے، وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا

{وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلاًّ هَدَيْنَا وَنُوحاً هَدَيْنَا مِن قَبْلُ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وموسى وَهَارُونَ} الانعام٨٤

ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیے، ان سب کو ہم نے ہدایت سے مالا مال کیا، نوح علیہ السلام کو ان سے پہلے ہدایت دی تھی، اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو ہدایت سے نوازا تھا۔

تفسیر میں لکھا ہوا ہے کہ

سفر ایوب (صحیفہ) عربی الاصل تھا، جس میں اشخاص اور جگہوں کے نام تھے، اس صحیفہ میں شامی جنگلات، حیوانات اور جڑی بوٹیوں کے اوصاف بیان کیے گئے تھے۔

لوئیس شیخو نامی پادری اپنی کتاب النصرانیہ وآدابہا میں لکھتے ہیں کہ

صحیفہ ایوب میں علم نجوم کا ذکر بھی تھا، صحیفہ ایوب کے بارے میں ہمیں جو شواہد ملتے ہیں ان سے پتا چلتا ہے اس صحیفہ میں ستاروں کے نام اور آسمان میں ستاروں کی نقل وحرکت کا ذکر تھا، کیونکہ ایوب علیہ السلام عربی الاصل تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر کا امتحان لیا تھا۔

ڈاکٹر جواد علی اپنی کتاب تاریخ العرب قبل الاسلام میں لکھتے ہیں کہ

سفر ایوب عربی الاصل تھی، اس رائے کی تائید مستشرق مرجی لیوٹ نے بھی کی، اس رائے کی بہت سے مؤرخین نے بھی تائید کی ہے۔ (تیسیر التفسیر للقطان)

اللہ تعالیٰ نے سورۃ فصلت میں ارشاد فرمایا کہ

اس قرآن کو ہم نے عربی زبان میں نازل کیا، یہ بات قرآن کریم کی عربیت کے لیے مؤکد ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز ترجمہ پر مشتمل ہو یا اس کے جو معانی نقل کیے جاتے ہیں، یا کوئی بھی الفاظ جو اس کی وضاحت کے لیے بنائے جاتے ہیں وہ یقینی طور پر حقیقت کو نہیں پہنچتے۔

بعض حضرات نے جدید مترجمین کے تراجم اور تفہیمات قرآنیہ کو بدعت قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ اس زمانے کی بدعت ہے، ورنہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں قرآن کریم کے تراجم نہیں تھے، اور نہ ہی دور تابعین میں ایسے تراجم تھے، بلکہ ان اہل قلم کا یہ کہنا ہے کہ آج سے سو سال پہلے تک یہ کام نہیں تھا، ان کا یہ کہنا ہے کہ قرآنی زبان کو قرآن کی طرح ہی سیکھنا ہر مسلمان پر فرض، لازم اور ضروری ہے، طلب علم ہر مسلم پر ضروری ہے۔

اہل علم کہتے ہیں کہ قرآن کریم عربی ہے، اسلام کے نبی ﷺ عربی ہیں، اور سنت عربی ہے، قرآن کریم اور حدیث شریف کو عربی زبان سیکھے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا، ورنہ لوگ گمراہ ہو جائیں گے اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے، جیسے ہمارے زمانے میں کئی گمراہ لوگ لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

بعض اہل علم نے اس بات پر دکھ کا اظہار کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے دعوت اسلام کے لیے قیادت کی داغ بیل ڈالی جب کہ وہ خود عربی زبان نہیں جانتے تھے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان سے خطاء صادر ہوئی، وہ پھسلے اور دوسروں کو بھی انہوں نے پھسلایا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام اور قرآن کی زبان سے وہ نا آشنا تھے، وہ نبی کریم ﷺ کی زبان سے نا آشنا تھے، حالانکہ یہی زبان سنت محمدیہ کی زبان ہے، یہی زبان حدیث شریف کی زبان ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ جب فاتح بن کر مسلمانوں کی محافل میں پہنچے، اسی طرح ان سے پہلے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ان کے بعد آنے والے لوگ جب چین تک، یورپ کے بیچ میں اور ان کے درمیانی علاقوں میں رسائی کی تو وہ لوگ عربی جانتے تھے، وہ لا الہ الا اللہ کا مفہوم بھی جانتے تھے اور عربی زبان پر بھی پوری اور مکمل دسترس رکھتے تھے، اس لیے کہ عربی زبان جاننے کے بغیر کتاب، سنت اور اسلام کو نہیں جانا جا سکتا۔

شیخ محمد منتصر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

ان فاتحین نے جب اپنے مفتوحہ علاقوں پر قدم رکھے تو وہاں کوئی ترجمان نہیں تھا اور نہ ہی ان میں سے کسی نے ترجمہ کا تکلف کیا، نہ ان لوگوں نے خود اور نہ ہی مفتوحہ قبائل اور خاندانوں کی طرف سے، اس لیے کہ وہ لوگ عربی زبان پر خود بھی عبور رکھتے تھے اور چھوٹی پود کو وہ عربی زبان سکھاتے بھی تھے، عربی زبان سیکھنے کے لیے ان کو دو تین سالوں کی ضرورت ہوتی تھی ، دو تین سال انہیں کافی ہوجاتے تھے، جیسے آج ہم اپنے بچوں کو سکول اور مدرسہ میں بھیجتے ہیں تو وہ ابتدائی درجات میں عربی زبان سے واقف ہو جاتے ہیں، انگریزی سیکھنے کے لیے ہمارے بچے جب انگریزی سکولوں کا رخ کرتے ہیں تو ابتدائی چند سالوں میں ہی وہ انگریزی زبان بول اور سمجھ سکتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ عربی زبان پر عبور حاصل کر لیتے تھے۔

علامہ شیخ محمد منتصر فرماتے ہیں کہ

جس طرح اسلام کی نشر واشاعت ضروری ہے اسی طرح اس کی زبان کی نشر واشاعت بھی ضروری ہے، یہ معاملہ قرن اول سے لے کر قرن ثانی ہجری بلکہ دو تین قرون تک ضروری تھا، یہاں تک پھر وطنیت کا بت آگیا، قومیت کا بت آگیا، اس میں تعصب کا عنصر غالب ہو گیا، یہ منافقین کے نفاق اور کفار کے کفر اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے روکنے والوں کی روک اور رکاوٹ کی وجہ سے ہوا۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ

مسلمان اپنے دوسرے دور میں ، عرب ہوں یا عجم، اہل فارس ہوں یا اہل روم ، حبشی ہوں یا اہل ہند سب ہی اس طرح عربی میں گفتگو کرتے تھے جس طرح عرب لوگ عربی بولتے تھے۔(الصراط المستقیم فی مخالفۃ اصحاب الجحیم)

مشہور سیاح ابن بطوطہ کے بارے میں اہل قلم لکھتے ہیں کہ

وہ مشرق و مغرب میں مسلمانوں کے جن جن علاقوں میں گیا وہاں لوگوں کو عربی زبان بولتے اور سمجھتے ہوئے پایا، بڑے بڑے مناصب پر فائز حکمرانوں اور قاضیوں کو دیکھا کہ وہ عربی زبان بولتے اور سمجھتے ہیں۔ (تفسیر المنتصر)

سورۃ فصلت میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

{كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ} [فصلت:٣].

یہ کتاب ہے جس کی آیات کی تفصیل کی گئی ہے، یہ قرآن عربی زبان میں ہم نے اتارا ہے ایسی قوم کے لیے جو جانتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن ایسی قوم کے لیے اتارا گیا جو اس کا ادراک رکھتی ہے، جو عربی زبان کو سمجھتی ہے، اس کے بعد ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے، جو اسے جانتا نہیں ہے وہ اسے سیکھے اور اس سے آشنائی حاصل کرے، کم از کم کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اتنی عربی تو سیکھ ہی لے جو نماز سے متعلق ہے۔

یہاں یہ بات بہت ہی ضروری ہے کہ کلمہ کے بعد دوسرے درجے میں نماز کو سیکھ لے، نماز عربی زبان میں پڑھنا ضروری ہے کم از کم سورۃ فاتحہ اور بعد والی سورۃ عربی میں تلاوت کی جائے، جو ایسا بھی نہ کر سکے تو اس نے کچھ بھی نہیں کیا، وہ کھیل کر رہا ہے۔

اسی طرح ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ حج کے اذکار ہی سیکھ لے، حج میں جو تلبیہ کہا جاتا ہے وہی سیکھ لے، اس کے علاوہ جو چیزیں حج کی ادائیگی کے لیے ضروری ہیں وہ سیکھ لے۔

اگر تلاوت کے الفاظ لاطینی زبان میں لکھے جائیں یا ان کا کسی زبان میں ترجمہ کیا جائے پھر اسے پڑھا جائے تو وہ تلاوت نہیں سمجھی جائے گی، نہ ہی اس پر اجر و ثواب ملے گا، عربی زبان کی بجائے کسی ترجمہ کو قرآن کی تلاوت سمجھ کر پڑھنے والا گناہ گار ہو گا، اس لیے کہ اس نے کلام اللہ جو عربی زبان میں ہے اس میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے، اور اس

نے عربی زبان کو ایسی زبان کی طرف منتقل کیا ہے جو عربی نہیں ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے نہیں اتارا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر قرآن کریم کے بارے میں واضح کر دیا کہ ہم نے اسے عربی زبان میں نازل کیا۔ (تفسیر القرآن، مؤلفہ محمد منتصر)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ اگر ہم قرآن کریم کو عجمی زبان میں اتارتے تو عرب لوگ معترض ہوتے کہ یہ ہماری زبان میں نہیں ہے اس لیے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ ان کی مادری زبان عربی تھی، حالانکہ یہ کوئی قابل اعتراض اور قابل انکار بات نہیں تھی، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے سانحہ رحلت کے بعد کتنے لوگوں کا تعلق عجم سے تھا مگر ان کی خدمات جلیلہ کو دیکھا جائے تو انسان رشک کرتا ہے کہ انہوں نے عجمی ہونے کے باوجود کس طرح عربی زبان کی خدمت کی، آپ ﷺ کے سانحہ رحلت کے وقت جزیرہ عرب میں اسلام پھیل چکا تھا، حضرات خلفاء راشدینؓ کے زمانے میں تو عرب کی حدود سے باہر نکل آیا تھا۔

خلفاء راشدینؓ میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے پہل کی تھی، انہوں نے اسلام کو پھیلایا تھا، عربی زبان میں اس کی وضاحت دوسری اقوام میں کی تھی، ان لوگوں کی محنت کا ہی نتیجہ تھا کہ دوسرے لوگوں نے بھی عربی زبان سیکھ لی تھی، کئی لوگ تو ایسے تھے جو مادری زبان عربی جاننے والوں سے زیادہ اس زبان پر عبور حاصل کر چکے تھے، جیسے یہ بات سب اہل علم جانتے ہیں کہ نحو کا امام عربی نہیں فارسی تھا، اس سے اہل عرب نے نحوی علم حاصل کیا تھا، تفسیر کا امام عربی نہیں بلکہ فارسی تھا، عجمی تھا، جسے دنیا محمد بن جریر طبری کے نام سے جانتی ہے۔

اسی طرح امام فی الحدیث عجمی تھے، جن کا نام نامی اسم گرامی محمد بن اسماعیل بخاریؒ تھا، ان کے پردادا بردزبہ تھے جو ایک مجوسی نام ہے، فارس کے رہنے والے تھے، امام بخاری امام الحدیث تھے، جنہوں نے عرب و عجم کو عربی زبان میں سنت نبوی سکھائی، مسلم شریف جیسی حدیث کی بہترین کتاب لکھنے والے امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری بھی

عجمی تھے، ترمذی شریف جیسی حدیث کی کتاب لکھنے والے امام ترمذی بھی عجمی تھے، ابو داؤد شریف جیسی حدیث کی کتاب لکھنے والے امام ابو داؤد سجستانی بھی عجمی تھے۔ سیبویہ جیسا عظیم عالم، الکتاب کا مصنف بھی عربی نہیں عجمی تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ رحلت کے بعد آپ کے شیدائیوں اور فدائیوں نے عربی زبان میں اسلام کو عام کیا اور پھیلایا، یوں ان لوگوں کی کاوشوں کی بدولت عربی مسلمانوں کی زبان قرار پائی، یہی بات علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے علم اور ابن بطوطہؒ نے اپنے مشاہدہ کی بنیاد پر کہی تھی۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اپنی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفۃ اصحاب الجحیم میں اپنے زمانے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تمام امم اور شعوب اسلامیہ قرآنی زبان یعنی عربی زبان میں گفتگو کرتی ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے جب کسی علاقے میں تشریف لے جاتے تھے تو وہاں کی مقامی زبان میں قرآن کریم سیکھتے تھے، اور اسے ان کے فہم کے مطابق سمجھتے تھے۔

اہل علم و عرفان کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، اس کا ترجمہ مشکل ہے، جیسے بڑی بڑی یونیورسٹیز کے اساتذہ اگر کسی شعری قطعہ یا نثری پیراگراف کا ترجمہ کریں اور اسے ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کریں تو یہ ایسا ترجمہ ہوگا جس سے اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے میل نہیں کھائے گا، اس لیے کہ ترجمہ تو معانی کا ترجمان ہوتا ہے جو فہم وادراک کی طرف لوٹتا ہے۔

شیخ محمد منتصر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ترجمہ کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم یہ ہے الفاظ قرآن کریم کا ترجمہ کیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ الفاظ قرآنی کے معانی کا ترجمہ کیا جائے یہ جائز ہے، اسی لیے تو آج ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی کتاب کے تراجم روئے زمین کی تمام زبانوں میں

کیے جاتے ہیں، وہاں کی رہنے والی مسلمان آبادی کی زبان میں کتاب اللہ کے ترجمے کیے جاتے ہیں، وہاں کی رہنے والی کافر آبادی کی زبان میں کتاب اللہ کے ترجمے کیے جاتے ہیں، جیسے فرنچ زبان میں قرآن کریم کے ترجمے کیے جاتے ہیں، اسی طرح ترکی زبان میں قرآن کریم کے ترجمے کیے جاتے ہیں، اسی طرح ان کے علاوہ جہاں جہاں جو آبادیاں ہیں ان کی زبانوں میں ترجمے کیے جاتے ہیں، باوجودیکہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے وقت ان میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس لیے کہ ترجمہ تو نام ہے شرح، بیان اور تفسیر کا۔

عربی زبان میں تفاسیر اپنی کثرت کے باجود ہر زمانے کی تفاسیر کے ساتھ متفق نہیں ہیں، یہ بات اس فہم کی بناء پر کچھ نہ کچھ سمجھی جاتی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، یا مطلق ہے یا مخصص ہے یا مقید ہے۔ دوسرا آتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے، اس بناء پر اختلاف پایا جاتا ہے۔

کتنے مفسرین کرام ہیں جنہوں نے سورۃ الحجر کی آیت ۲۲ میں موجود لفظ لواقح کے معنٰی میں اختلاف کیا ہے۔ (تفسیر کتانی)

عربی زبان میں تقدیم و تاخیر تو بہت زیادہ پائی جاتی ہے، عربی زبان جاننے والے آدمی کو یہ بات سیاق وسباق سے معلوم ہوجاتی ہے، اور ہونا بھی چاہیے، اس لیے ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے اچھی طرح سمجھے، کیونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور اسلامی شریعت عربی زبان سیکھے سمجھے بغیر سمجھے نہیں جاسکتے اور تراجم تو کبھی بھی عربی زبان سے بے نیاز نہیں ہوسکتے، اسی لیے جو شخص صرف ترجمہ پر انحصار کرے گا اس کا علم ناقص ہوگا اور ضائع ہوجائے گا، اسی لیے ہمیں یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ جو شخص ترجمہ پر بھروسہ کرے گا وہ ایسی چیزوں پر ایمان لاتا ہے نفس الامر میں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ جب کوئی مسلمان شرعی علوم فقہ وغیرہ پر کوئی اسلامی کتاب لکھے تو اس کے لیے عربی زبان کا جاننا ضروری ہے، اگر وہ عربی زبان سمجھے، سیکھے اور جانے بغیر میدان تحریر میں قدم رکھے گا تو وہ جگہ جگہ غلطیاں کرے گا، وہ قرآنی آیات کی تفسیر، احادیث کی شرح اور کلام عرب کی اس طرح شرح کرے گا کہ اس کا مفہوم بگڑا اور بدلا ہوا ہو گا، اسی طرح کی غلطیاں یہود و نصاریٰ میں سے مستشرقین سے ہوئیں، جو تکبر سے عربی زبان سیکھتے ہیں، ترجموں پر انحصار کرتے ہیں، اس وجہ سے ان سے بہت زیادہ جہالت کا صدور ہوتا ہے، بہت زیادہ ردوبدل کرتے ہیں، تبدیلیاں کرتے ہیں، قرآنی آیات میں تحریف کرتے ہیں، احادیث کا مفہوم و مطلب بدل دیتے ہیں، اس لیے عربی عربوں سے سیکھنا چاہیے، اور اسلام ان سے سیکھنا چاہیے جو عربی زبان پر عبور رکھتا ہے۔

اسی لیے تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ

اَلْخِلَافَۃُ فِی قُرَیشٍ خلافت قریش میں ہوگی، اس میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص کتاب اللہ، کتاب اللہ کے بیان اور کتاب اللہ کے معانی کرنے میں امانت داری کا اظہار نہیں کرے گا وہ اللہ کی شریعت میں بھی امانت داری نہیں کر سکتا، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور فقہ اسلامی میں امانت داری عربی شخص ہی کر سکتا ہے یا وہ شخص ان چیزوں میں امانت داری کا مظاہرہ کرے گا جس نے عہد طفلی میں کسی عربی جاننے والے سے عربی زبان سیکھی اور ایسا ہو گیا جیسا اس زبان کا عالم ہوتا ہے۔

یہ لوگ عربی زبان کے ظاہر اور باطن پر دسترس رکھتے ہیں، اس کے تمام متعلقات سے آگاہ ہیں، اس زبان کے استعاروں سے واقف ہیں، اس کے بیان و بلاغت سے آگاہ ہیں، اس کی عبارات اور اس کے مفردات سے آشنا ہیں، اگر ایسا نہیں تو اس سے بہت زیادہ غلطیاں صادر ہوں گی، جب غلطیاں زیادہ ہوں گی تو پھر اس کا کام یہ ہو گا کہ وہ شرعی احکامات پر افترا پردازی کرے گا، بہتان تراشی کرے گا، جس پر شہنشاہ

کائنات کی طرف سے کوئی دلیل وحجت نہیں اتاری گئی، یہ کیوں ہوا؟ یہ اس کی غلط فہمی کی وجہ سے ہوا۔ (تفسیر کتان مؤلفہ محمد منتصر کتانی)

قرآن کریم کی سورۃ طٰہٰ کی آیت ۱۱۳ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ ہم نے عربی زبان میں قرآن اتارا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم عربی زبان میں عربوں کے اسلوب کے مطابق اتارا گیا، ان کے قواعد کے مطابق اتارا گیا، اور یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ عربی زبان کسی خاص طبقے کے لیے نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے واضح فرمایا کہ

مَن تَعَلَّمَ العَرَبيَةَ فَهوَ عَرَبِيٌّ، لَيسَتِ العَرَبيَةُ لَكُم بأَبٍ وَلَا أُمٍ، وَإنَّما هي لِسَانٌ.
جس نے عربی زبان سیکھی وہ عرب ہے، عربی زبان ماں باپ کی طرف سے موروثی نہیں ہے، بلکہ یہ زبان ہے۔

اس ارشاد کو مد نظر رکھتے ہوئے عربی زبان بولنے والا عرب ہے، چاہے وہ یورپ کا رہنے والا ہے، مصر کا رہنے والا ہے، عراق کا رہنے والے ہے، ہر وہ شخص جو عربی بولتا ہے وہ عرب ہے، باپ ہونے کے لحاظ سے آدم علیہ السلام اصل اور بنیاد ہیں، حضرت حواء ماں ہیں، زبانوں اور لہجوں کی تعبیر کے لیے حروف ہوتے ہیں، جو دل میں گھومتے ہیں۔

سورۃ طٰہٰ کی اسی آیت میں وضاحت ہے کہ ہم نے اس میں وعیدات کو پھیرا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے بیان کیا، ہم نے واضح کیا، ہم نے تفصیل بیان کی، یہی وعید لانا ہے، یہی ڈر سنانا ہے، یہی خوف دلانا ہے اس شخص کو جو اللہ کی ربوبیت پر ایمان نہیں رکھتا، جو محمد عربی ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتا، اور بشارت تو عربی قرآن ہی کے ذریعے دی جا سکتی ہے، ڈر بھی عربی قرآن کے ذریعے ہی سنایا جا سکتا ہے، اسلام کے ابتدائی تین زمانوں میں تو ہمیں یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ اس کی نشرواشاعت، معارف اسلامی کی ترویج ان لوگوں نے کی جو عرب نہیں تھے، بلکہ ان کا تعلق عجم سے تھا، جیسے صحاح ستہ کے مصنفین ہیں، یہ عرب نہیں تھے مگر انہوں

نے ایسی کتابیں مرتب کیں جو آج تک اپنا فیضان اور نور پھیلا رہی ہیں اور رہتی دنیا تک ان کی روشنی اور نور پھیلتا چلا جائے گا۔

اسی طرح قرآنی علوم، سنن نبویہ اور چاروں مسالک میں جو مسلک دنیا بھر میں پھیلا وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے، اور امام ابو حنیفہ عربی نہیں تھے، وہ عجمی تھے، وہ فارس کے رہنے والے تھے، بعض روایات کے مطابق نبی کریم ﷺ کا فرمان گرامی ہے کہ اگر علم ثریا ستارے پر بھی ہو گا تو ابنائے فارس میں سے ایک مرد میدان اسے وہاں سے اتار لائے گا، اہل علم اس روایت کا مصداق امام ابو حنیفہؒ کو قرار دیتے ہیں۔

یہ سب کچھ کیوں ہے؟ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کی ربوبیت پر ایمان رکھتے تھے، اللہ کی کتاب پر ایمان رکھتے تھے، اللہ کی وحی پر ایمان رکھتے تھے، جو عربی زبان میں نازل ہوئی، اور اسلام کے لیے مناسب بات بھی یہی ہے کہ وہ ایسا ہی ہو، اس لیے کہ اسے سمجھنا، اسے سیکھنا، اس کا پڑھنا اس زبان کے بغیر نہیں ہو سکتا جسے اللہ نے نازل فرمایا، ان لوگوں نے صغر سنی میں اسے سیکھا اور اس طرح ہو گئے جیسے باقی عرب تھے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا عربیت تمہارے ابا اور اماں کی طرف سے نہیں ہے بلکہ یہ ایک زبان ہے۔

بلکہ حضرت نبی کریم ﷺ کے جد اعلیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت ابرہیم چھوٹی عمر میں عراق سے بابل میں لائے تھے، حالانکہ اصل کے لحاظ سے وہ عرب نہیں تھے، پھر وہ مکہ کی طرف آئے، وہاں آپ قبائل عرب اور بنی جرہم کے درمیان پروان چڑھے، عربی پر عبور حاصل کیا تو عرب کے سردار بن گئے، بلکہ فصحائے عرب میں ان کا شمار کیا گیا، چند صدیوں بعد عربی زبان وسیع پیمانے پر پھیل گئی، اور علی الاطلاق وسیع زبانوں میں اس کا شمار ہونے لگا۔ اس کی شہادت وہ کتابیں دیتی ہیں جو عربی زبان سے متعلق لکھی گئی ہیں، جو سو سو مجلدات پر مشتمل ہیں، احمد بن ابان کی کتاب السماء والعالم سو جلدوں میں ہے، علامہ منظور افریقیؒ کی لسان العرب بیس ضخیم جلدوں میں ہے۔ جو عربوں کی لائبریریوں میں موجود ہیں اور یورپ کی لائبریریوں میں بھی موجود ہیں۔

اہل تفسیر نے قرآن کریم کی آیت
{ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ} [الجمعة:۴].
کے تحت لکھا ہے کہ امیوں یعنی عرب اور خصوصا قریش میں آپ ﷺ کی بعثت یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا، اسی طرح قرآن کریم میں آخرین منھم سے مراد عجم ہیں، باوجودیکہ قریش اشرف القبائل ہیں، اللہ نے انہیں نسب کے لحاظ سے شرف بخشا ہے، ان کے علاوہ عجموں پر یہ شرف اس طرح فرمایا کہ انہیں ان کے ساتھ جوڑ دیا۔

یہاں فضل اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے عجموں کو عربوں کے ساتھ جوڑا ہے، یہ اللہ کا فضل ہے۔

قرآن میں اس مقام پر ہے کہ اللہ اپنے فضل سے اسے نوازتے ہیں جسے چاہتے ہیں، یہ فضل نوعیت الاجناس کے قبیل سے ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جنس قبائل میں سے افضل جنس عرب کی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

إنَّ اللّٰه اصطَفىٰ إبرَاهِيمَ، وَاصطَفىٰ مِن وُلدِ إبرَاهِيمَ عَلَيهِ السَّلَامُ إسمَاعِيل، وَاصطَفىٰ مِن إسمَاعِيلَ كَنَانَة، وَاصطَفىٰ مِن كَنَانَةَ قُرَيشاً، وَاصطَفىٰ مِن قُرَيش بَني هَاشِم، وَاصطَفَاني مِن بَني هَاشِم، فَأنَا خِيَار مِن خِيَار مِن خِيَار.

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو چنا، ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کو چنا، اسماعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو چنا، کنانہ میں سے قریش کو چنا، قریش میں سے ہاشم کو چنا، اور مجھے ہاشم میں سے چنا، چنانچہ میں بہترین لوگوں میں سے ہوں، بہترین لوگوں میں سے ہوں بہترین لوگوں میں سے ہوں۔

ان میں سب سے افضل جنس عرب کی ہے، اس لیے کہ اللہ نے انہیں خصوصیت سے نوازا کہ حضرت محمد عربی ﷺ کو ان میں پیدا فرمایا، اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ ہم لسانیت اور عنصریت کے تعصب میں مبتلا ہو جائیں کیونکہ مدار، اساس اور بنیاد فضیلت ایمان اور عمل صالح پر ہے۔

مستدرک حاکم میں روایت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

فَاخْتَارَ مِنَ الْخَلْقِ بَنِي آدَمَ وَاخْتَارَ مِنْ بَنِي آدَمَ الْعَرَبَ، وَاخْتَارَ مِنَ الْعَرَبِ مُضَرَ، وَاخْتَارَ مِنْ مُضَرَ قُرَيْشًا، وَاخْتَارَ مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاخْتَارَنِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ، فَأَنَا مِنْ بَنِي هَاشِمٍ مِنْ خِيَارٍ إِلَى خِيَارٍ، فَمَنْ أَحَبَّ الْعَرَبَ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَ الْعَرَبَ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ (مستدرک حاکم)

اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں بنی آدم کو چنا، بنی آدم میں سے عربوں کو چنا، عربوں میں سے مضر کو چنا، مضر میں سے قریش کو چنا، قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا، مجھے بنی ہاشم میں سے چنا، میں بنی ہاشم میں سے ہوں، بہتر سے بہتر کی طرف، جس نے عربوں سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی، جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

عرب اور عربی زبان کو اللہ کی طرف سے کیا شان اور مقام ملا ہے، اس کا مشاہدہ انسان اس وقت کر سکتا ہے جب افریقی ممالک میں کسی عرب کا جانا ہو، عرب اور عربوں کو ملنے والی شان کا مشاہدہ شرق ایشیاء، ہندوستان، سوویت یونین اور دیگر ممالک میں دیکھی جا سکتی ہے، جب یہاں کے باشندے کسی عرب کو دیکھتے ہیں تو خندہ پیشانی سے اس سے ملتے ہیں، اس کے ہاتھ اور پیشانی کو چومتے ہیں، اور یہ کہتے ہوئے اظہار فخر کرتے ہیں کہ یہ عربی ہے، عرب باشندہ ہے، اللہ نے اسے پاک سرزمین پر پیدا کیا ہے، ان لوگوں کی طرف سے عربوں کو بڑی عزت دی جاتی ہے، یہ لوگ انہیں نبی کریم ﷺ کی نسل میں سے سمجھتے ہیں۔ (ماخوذ از تفسیر بالقرآن مؤلفہ محمد احمد مقدم)

اہل تفسیر قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل کرنے کی وجوہات یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ زبان ایسی ہے جو معانی اور اسرار و رموز پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ کوئی زبان ایسے معانی اور ایسے رموز و اسرار نہیں رکھتی، عربی زبان سب سے فصیح و بلیغ زبان ہے، اس میں پائیداری اور وسعت پائی جاتی ہے، اس زبان میں ایسے ایسے الفاظ ہیں جن میں معانی کی کثرت پائی جاتی ہے۔

عربی زبان کو یہ شرف اور اعزاز بھی حاصل ہے کہ تمام کتابوں میں افضل ترین کتاب اسی زبان میں اتاری گئی، قرآن کریم اسی زبان میں نازل کیا گیا، یہ کتاب اشرف الرسل، خاتم الانبیاء نبی الانبیاء، فخر الرسل حضرت نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر اتاری گئی، اس کی سفارت کا شرف اور اعزاز حضرت جبریل علیہ السلام کو ملا، یہ کتاب عربی زبان میں روئے زمین میں سب سے بہترین جگہ مکہ مکرمہ میں نازل کی گئی، جس مہینے میں اسے اتارا گیا وہ سارے مہینوں میں عزت و شرف والا ہے، جس رات میں اتارا گیا وہ ساری راتوں میں افضل ترین رات ہے، جسے لیلۃ القدر کہا گیا ہے، قرآن کریم میں اس رات کو ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے، یوں عربی زبان کو ہر لحاظ سے شرف و فضل حاصل ہے۔

اسی طرح قرآن کریم جیسی عظیم دولت جس امت کو دی گئی اسے امت مرحومہ کہا جاتا ہے، جسے امت مھدات کہا جاتا ہے، جسے امت وسط کہا جاتا ہے، جسے خیر امت کہا جاتا ہے، قرآن کریم کی سورۃ آل عمران کی آیت ۱۱۰ میں اس امت کو بہترین امت کہا گیا ہے۔

سورۃ الشعراء کی آیت ۱۹۵ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ (۱۹۵)

ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا۔

یعنی یہ قرآن عربی مبین میں نازل کیا گیا ہے، عربی زبان دنیا کی تمام زبانوں میں بڑی زبان ہے، سب زبانوں سے فصیح ترین زبان ہے، سب زبانوں سے بلیغ ترین زبان ہے، سب زبانوں میں خوبصورت ترین زبان ہے، چنانچہ قرآن انہی صفات کی حامل زبان میں نازل کیا گیا، یہ رب العالمین کی طرف سے آنے والی کتاب ہے، جس کا نزول آسمانوں سے ہوا، فرشتوں میں سے سب سے بڑے پیغام رساں فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے اس کتاب کو اتارا گیا، روئے زمین کے سب سے

بزرگی اور شرافت والے حصے مکہ مکرمہ میں اسے اتارا گیا، سال کے بارہ مہینوں میں افضل ترین مہینے رمضان المبارک میں اسے اتارا گیا، آسمان کی طرف سے زمین پر اترنے والی تمام چیزوں میں افضل اور بہترین چیز قرآن کریم ہے، اتارنے والا بھی اعلیٰ، لانے والا بھی اعلیٰ، کتاب بھی اعلیٰ، زبان بھی اعلیٰ، زمین بھی اعلی، شہر مکہ بھی افضل، قلب محمد بھی اعلیٰ، جس رات میں قرآن آیا وہ رات بھی اعلیٰ، جس ساعت سعید میں یہ قرآن آیا وہ ساعت وگھڑی بھی اعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ۔

ڈاکٹر سلمان بن ابراہیم عربی زبان کی اہمیت اپنی کتاب کے مقدمہ میں یوں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

أَنَّ العَرَبِيّةَ تَوقِيفٌ مِن عِندَ رَبِّ العَالَمِينَ، وَلَم يُسَمَّ لُغَةً أُخرىٰ بهذِه السِّمَةِ، وَكَأنَّهُ يرى أَنَّ هذه مِيَزَةٌ اِنفَرَدَت بِهَا العَرَبِيَّةُ عَن لُغَاتِ العَالَمِ، فَكَانَتِ العَرَبِيَّةُ وَحياً حُفِظَ حَتَّى نُزلَ بِهَا القُرآنُ، فَانضَمَّ الوَحيُ إلَى الوَحي، وَهذَا كَأَنَّهُ يَقُولُ فِيهِ كَمَا أَنَّ لِلعَرَب وَأَتبَاعِهِم دِيناً اِمتَازَ عَن غَيرِهِ بِأَنَّهُ وَحيٌّ مَصُونٌ، لَم تَمسَّه يَدُ التَّغيير، فَإنَّ لِلعَرَبِ أَيضاً لُغَةً مَصُونةً مَرعِيَّةً برعَايَةِ اللهِ، صَانَتهَا عَن التَّغيير وَالاِبتِذَالِ، وَرَقَّت فِي مَرَاقِي المَجدِ وَالسُّموُّ، يحفَظُهَا رَبُّهَا وَيُهَيَّؤُهَا، وَهِي أَعلَى لُغَةٍ، لِنُزُولِ أَعلٰى كِتَابٍ بِهَا، وَأَعظَمُ دِينٍ، وَخَاتَمُ الأَديَانِ، اَلإِسلَام،(**عناية المسلمين**)

عربی زبان رب العالمین کی طرف سے توقیفی ہے، جو مرتبہ اور مقام اسے حاصل ہے وہ کسی اور زبان کو حاصل نہیں ہے، گویا کہ اس ذات عالی نے اسے ممتاز کیا ہے، دنیا کی باقی زبانوں سے اسے منفرد قرار دیا ہے، عربی زبان کی وحی کے ذریعے حفاظت کی گئی ہے، یہاں تک کہ اس زبان میں قرآن کریم نازل کیا گیا ہے، گویا کہ وحی کو وحی میں ضم کیا ہے، گویا کہ وہ اس بارے میں یوں کہتا ہے کہ عربوں اور ان کے پیروکاروں کے لیے ایک دین ہے جو باقیوں سے ممتاز ہے، اس لیے کہ یہ محفوظ وحی ہے، جسے تغیر وتبدل کے ہاتھ چھو تک نہیں سکتے، اسی طرح اہل عرب کے لیے ایک محفوظ زبان ہے جس کی اللہ کی حفاظت کے ساتھ رعایت رکھی گئی ہے، اسے تغیر وتبدل سے

بچایا گیا ہے، یہ زبان بزرگی و مجد کے درجات پر بلند ہوئی ہے، اسے اس کے رب نے محفوظ فرمایا ہے، یہ بلند ترین زبان ہے، اس زبان میں اعلیٰ و افضل کتاب نازل کرنے کی وجہ سے، عظیم ترین دین کی زبان ہونے کی وجہ سے، خاتم الادیان کی زبان ہونے کی وجہ سے، اسلام کی زبان ہونے کے باعث۔

ابن فارس نے تو اس کے توقیفی ہونے میں وسعت کا اظہار کرتے ہوئے یوں کہا کہ یہ زبان اپنے الفاظ، اپنی آواز، اپنی بناء، اپنی ترکیب، اپنے اسلوب بیان، بلکہ اپنی کتابت، اپنے خط، اور اپنے علوم اور عروض میں توقیفی ہے۔

ابن فارس نے تو اپنی کتاب میں ایک مستقل باب باندھا ہے، جس کا عنوان یہ ہے، **لُغَۃُ العَرَبِ اَفضَلُ اللُّغَاتِ وَاَوسَعُھا** کہ عربی زبان تمام زبانوں سے افضل اور وسیع ترین زبان ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی عالی شان کتاب اس زبان میں نازل فرمائی۔

ابن فارس کا خیال یہ ہے کہ عربی زبان کو اسلام آنے کے بعد کمال حاصل ہوا، قرآن کریم کے نزول سے اسے کمال ملا، الفاظ و معانی کو جدت ملی۔

علامہ مصطفےٰ صادق رافعی فرماتے ہیں کہ

عربی زبان ایسے دین کی زبان ہے جو دائمی بنیادوں پر استوار ہے، اور وہ قرآن کریم ہے، اولین اور آخرین اس کے اعجاز فصاحت پر متفق ہیں، سوائے ان زنادقہ کے جو اس سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں، یا وہ جاہل جو زندقہ اختیار کرتا ہے۔ (تحت رایۃ القرآن)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ، نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ، عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ، بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ(سورۃ الشعراء ۱۹۲)

یہ قرآن کریم رب العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہے، جسے روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام لے کر آئے، یہ آپ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل کیا گیا، تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں، یہ واضح عربی زبان میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کلام کی توصیف سب سے بلیغ انداز میں کی ہے کہ یہ کلام بیان ہے، واضح ہے، مبین ہے، جیسے سورۃ العلق میں انسان کی تخلیق کے ساتھ اس کو بیان سکھانے کا ذکر فرمایا ہے، یہاں ساری چیزوں سے پہلے انسان کو سکھانے سے ابتدا کی ہے، آفتاب وماہتاب، کواکب ونجوم، شجر وحجر کے ذکر سے بھی پہلے انسان کو سکھانے کا ذکر کیا ہے، ساری خلائق سے پہلے انسان کو بیان سکھانے کا ذکر کیا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کو بیان سکھانے کے ساتھ خاص کیا تو یہ بات معلوم ہوگئی کہ ساری زبانیں بیان سکھانے سے قاصر تھیں، اور یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ساری زبانیں عربی زبان سے کم ہیں۔

عربی زبان میں اللہ تعالیٰ نے بڑی وسعت رکھی ہے، اس کے الفاظ میں بکثرت معانی پائے جاتے ہیں، یہ صفت دنیا کی کسی دوسری زبان میں نہیں پائی جاتی، مثلاً فارسی زبان ہی کو لے لیا جائے، اس میں شمشیر کا لفظ تلوار کے لیے بولا جاتا ہے تو یہ ایک ہی لفظ ہے، جب کہ عربی میں تلوار کے لیے بہت سے نام ہیں، اسی طرح عربی میں شیر کے لیے کئی نام آئے ہیں، گھوڑے کے لیے بے شمار الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اسی طرح بے شمار چیزوں کے بے شمار نام اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

ابو عبداللہ بن خالویہ کہتے ہیں کہ میں نے شیر کے پانچ سو نام جمع کیے ہیں، سانپ کے دو سو نام جمع کیے ہیں، اسی عربی زبان پر دسترس رکھنے والوں نے پتھر کے ستر نام گنوائے ہیں، یہ اعزاز کسی اور زبان کو حاصل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کو نرالی شان عطا کی ہے، اس میں استعارے، تمثیلات اس طرح ہیں کہ انہیں دوسری زبانوں میں ادا کرنا مشکل ہے، کوئی مترجم عربی زبان کے استعارات اور تمثیلات کو دوسری زبان میں استعمال کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، جس طرح انجیل سریانی سے حبشی اور رومی زبان میں منتقل کی گئی، تورات، زبور اور تمام آسمانی کتب عربی زبان میں منتقل کی گئیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عجم عربوں کی طرح وسعت نہیں رکھتے۔

اہل علم نے بہت سی ایسی آیات مبارکہ کی نشاندہی کی ہے کہ کوئی مترجم ان کی درست طریقہ سے کسی دوسری زبان میں ترجمانی نہیں کر سکتا، ربانی منشاء کے عین مطابق وہ ان کی وضاحت نہیں کر سکتا کہ رب تعالیٰ یہاں کیا بیان کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ مترجمین نے اپنی سی پوری کوشش کی ہے کہ ان آیات کا مفہوم و مقصود واضح ہو سکے مگر وہ اس طرح نہیں کر سکے جس طرح کرنا چاہیے تھا۔

اللہ تعالیٰ کا کلام اس قدر اعلیٰ اور ارفع ہے کہ کوئی کلام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور یہ کیونکر نہ ہو کہ یہ کلام بہت بڑی ہستی کا ہے، جسے خالق کائنات کہا جاتا ہے، جو تمام لغات اور تمام زبانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔(الصاحبی مؤلفہ احمد بن فارس)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں اس طرف بھی نشاندہی کی ہے کہ

قرآن کریم میں بہت سے الفاظ عجمی بھی پائے جاتے ہیں، انہوں نے ایک کتاب اس موضوع پر تحریر فرمائی تھی جس کا نام ہی انہوں نے اَلمُھذَّب فِیمَا وَقَعَ فِی القُرآنِ مِنَ المُعَرَّب رکھا تھا، جس میں باقاعدہ ان الفاظ کی انہوں نے فہرست پیش کی۔

علامہ سیوطیؒ الاتقان میں فرماتے ہیں کہ

ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا قرآن کریم میں کوئی عجمی لفظ موجود ہے، اکثر یہی کہتے ہیں ان میں حضرت امام شافعیؒ، امام ابن جریرؒ، ابوعبیدہؒ، قاضی ابو بکرؒ، احمد بن فارسؒ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں عجمی زبان کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے۔اسی طرح اللہ نے فرمایا کہ اگر ہم اس قرآن کریم کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ معترضین کہتے کہ قرآنی آیات میں وضاحت کیوں نہیں ہے؟ یہ آیات عجمی ہیں اور سنانے والا عربی۔اسی لیے امام شافعی اپنے مؤقف میں شدت اختیار کرتے تھے کہ قرآن کریم میں عجمی الفاظ نہیں ہیں۔

ابو عبیدہؒ تو یوں استدلال کرتے تھے کہ قرآن کریم واضح عربی زبان میں اتارا گیا ہے، جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس میں کوئی غیر عربی الفاظ موجود ہیں تو وہ بہت بڑی جسارت کا ارتکاب کرتا ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ کَذَّابٌ نبطی زبان کا لفظ ہے تو وہ بڑی جسارت کرتا ہے۔

ابو عبیدہؒ نے ایک معتدل فیصلہ کیا ہے کہ یہ بات تو ناقابل انکار ہے کہ بہت سے الفاظ عربی لغت میں رومی، فارسی، عبرانی وغیرہ زبانوں کے لیے گئے ہیں، لیکن یہ الفاظ عربی زبان میں ایسے معروف ومشہور ہوگئے کہ خود عربی زبان کے الفاظ سمجھے جانے لگے، اس لیے کسی کا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ عربی زبان میں کوئی غیر عربی لفظ نہیں لیا گیا کیونکہ جو لیے گئے وہ خود عربی بن گئے یا بنا لیے گئے اور دوسروں کا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ غیر زبانوں کے الفاظ عربی زبان میں آئے ہیں، مراد یہ ہے کہ اصل میں وہ الفاظ غیر عربی تھے اگرچہ بعد میں وہ بھی عربی بن گئے اور جب وہ الفاظ عربی زبان کی حیثیت میں آ گئے تو قرآن بھی انہیں الفاظ میں نازل ہوا، خلیل بن احمد کی کتاب العین اور ابن درید کی جمہرہ میں ایسے الفاظ کو معرب یا دخیل کہا گیا ہے۔

مثلاً طٰا، الیم، طور، ربانیون کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ سریانی زبان کے الفاظ ہیں اور صراط، قسطاس، فردوس، رومی زبان کے اور مشکوٰۃ، کفلین، حبشی زبان کے اور ہیت لک جورانی زبان کے الفاظ ہیں اور ابراہیم، اسماعیل، یعقوب وغیرہ عبرانی زبان کے الفاظ ہیں اور طوبیٰ ہندی زبان کا لفظ ہے۔

اور یہی تحقیق معتدل اور صاف ہے، خلاصہ یہ ہے کہ عربی لغت میں دوسری زبانوں کے الفاظ اس طرح تو شامل نہیں ہوئے، جیسے دوسری زبانوں میں مختلف زبانوں کے الفاظ عادۃً شامل ہوا کرتے ہیں لیکن اس کا بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ گنے چنے چند الفاظ ایسے ضرور ہیں جو دوسری زبانوں سے لیے گئے ہیں، ان میں صرف وہی الفاظ عربی لغت کے جزء سمجھے گئے ہیں، جو قدیم عربی زبان میں نزول قرآن کے وقت معروف

ہو چکے تھے، بعد میں مختلف زبانوں کے اختلاط سے جو الفاظ عربوں میں رواج پا گئے ان کو ماہرین لغت نے عربی لغت کا جزء بنانا باتفاق جائز نہیں سمجھا، ایسے الفاظ ان حضرات کی اصطلاح میں مصنوع یا مولّد کہلاتے ہیں جو اہل لغت کے نزدیک عربی لغت کا جزء نہیں سمجھے۔ (مقدمۃ المنجد محررہ مفتی محمد شفیعؒ)

ابن فارسؒ کہتے ہیں کہ اگر قرآن کریم میں کوئی غیر عربی لفظ استعمال ہوتا تو وہم ڈالنے والا یوں وہم ڈال سکتا تھا کہ عرب والے اس جیسے الفاظ لانے سے عاجز تھے اس لیے اس میں عجمی لفظ استعمال ہوا ہے۔

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے قرآنی الفاظ کی تفسیر فارسی، حبشی، نبطی یا کسی اور زبان میں منقول نہیں ہے۔ بعض اہل تفسیر کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں استعمال ہونے والے تمام الفاظ عربی ہیں، صرف اتنی بات ہے کہ عربی زبان چونکہ بہت ہی وسیع زبان ہے اس لیے اکابرین سے یہ بات مخفی رہی، یہاں تک کہ ابن عباس سے فاطر اور فاتح کے معنٰی بھی پوشیدہ تھے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ لغت کا احاطہ صرف نبی ہی کر سکتا ہے، ابو المعالی عزیزی بن عبد الملک فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ عربی زبان میں ہی پائے گئے ہیں کیونکہ عربی تمام زبانوں میں وسیع ترین زبان ہے، کثرت الفاظ رکھنے والی زبان ہے۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں عجمی الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں مگر قرآن کریم میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ یہ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اکثر الفاظ عربی زبان کے ہیں جب کہ معمولی سے الفاظ دوسری زبانوں کے بھی پائے جاتے ہیں جو اس اعلان کے برخلاف نہیں ہیں۔ تھوڑے اور معمولی سے الفاظ دوسری زبانوں کے اس کلام عظیم کو عربیت سے خارج نہیں کرتے۔

ابو میسرہ تابعیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہر زبان کے الفاظ پائے جاتے ہیں، سعید بن جبیرؓ اور وہب بن منبہؒ نے بھی یہی بات ارشاد فرمائی ہے، ان کا یہ کہنا اس بات کی

طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم میں عجمی الفاظ کے پائے جانے کی حکمت یہ ہے کہ قرآن کریم اولین اور آخرین کے علوم کا جامع ہے، قرآن کریم میں ہر چیز کی خبر موجود ہے، اس لیے اس میں تمام لغات اور تمام زبانوں کے الفاظ کا موجود ہونا لازمی ہے، تاکہ تمام چیزوں کا احاطہ ثابت ہو سکے۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن النقیب کو اس بات کی صراحت ووضاحت کرتے ہوئے دیکھا ہے، وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری گئی تمام کتابوں میں قرآن کریم کو یہ خصائص حاصل ہیں کہ اس میں ان قوموں کی زبان کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن میں ان کی طرف کتابیں نازل کی گئی تھیں، اس میں ان کی زبانوں کے علاوہ کسی اور زبان کے الفاظ موجود نہیں ہیں، اور قرآن کریم نے عربوں کی تمام زبانوں کا احاطہ کر رکھا ہے، اس میں رومیوں، فارسیوں اور حبشیوں کی زبانوں کے بھی بہت سے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ایک باریک نکتہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ چونکہ نبی کریم ﷺ تمام امتوں کی طرف نبی بناکر بھیجے گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں۔

اس لیے یہ بات ضروری ٹھہری کہ جن لوگوں کی طرف یہ کتاب اتاری گئی ان میں سے ہر قوم کی زبان کے الفاظ اس میں موجود ہوں۔ (الاتقان فی علوم القرآن۔ سیوطی)

المنجد کے مقدمہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بہت ہی وقیع اور شاندار مقدمہ تحریر فرمایا ہے، اس میں آپ نے عربی زبان کی اہمیت اور افادیت بیان کی ہے، اسی میں آپ نے مختلف زبانوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ زبانیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں، فرماتے ہیں کہ انسان اور حیوانات کی آفرینش اور ان میں لگی ہوئی قدرتی مشینری کے کل پرزوں پر ایک نظر ڈالی جائے تو عقل حیران رہ جاتی ہے کہ اس کارخانہ قدرت میں کس چیز سے کیا چیزیں بن رہی ہیں، عارف رومی نے خوب فرمایا

در میان خون وروده فہم و عقل　　جز زاکرام تو نتواں کرد نقل

اے کہ خاک تیرہ راتو جاں دہی　　عقل و حس راروزی ایمان دہی

شکر از نے میوہ از چوب آوری　　وز منی مردہ بتِ خوب آوری

گل ز گل صفوت ز دل پیدا کنی　　پیہ را بخشی ضیاء وروشنی

انسان وحیوان کی چلتی پھرتی فیکٹری میں ایک خود کار (آٹو میٹک مشین) اس کی زبان ہے، جو دل ودماغ میں آئے ہوئے خیالات کی ترجمانی اس حیرت انگیز طریق پر کرتی ہے جو مضمون دل ودماغ میں آیا اس کے ادا کرنے کے لیے مناسب حروف والفاظ کا انتخاب پھر اس کی صحت کے ساتھ ادائیگی جس میں سین اور شین بلکہ سین اور صاد کا التباس نہ رہے اس تیز رفتاری کے ساتھ کر ڈالتی ہے کہ ایک سیکنڈ کا وقفہ نظر نہیں آتا اور اتنی بات میں انسان اور حیوان سب برابر ہیں، اپنے دلی مقصد کو دوسروں پر ظاہر کرنے کے لیے سب کی زبانوں میں یہ صلاحیت رکھی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ہم جانوروں کی زبان نہ سمجھیں اور جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ کسی بندہ کو سمجھا دیں تو وہ بھی سمجھنے لگتا ہے، جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارہ میں ارشاد ہے وَعُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيرِ یعنی ہمیں پرندوں کی بولی سکھادی گئی۔

پھر انسان کو حق تعالیٰ نے مدنی الطبع بنایا ہے، وہ اپنی ضروریات کو دوسروں کی امداد کے بغیر پوری نہیں کر سکتا اور اس کا دائرہ عمل بھی عام جانوروں کی طرح صرف محسوسات نہیں بلکہ اس کا امتیازی عمل معقولات سے متعلق ہے، اس لیے اس کو اپنی زندگی قائم رکھنے اور منصبی فرائض ادا کرنے میں خوب افہام وتفہیم اور مکمل بیان وتبیین کی ضرورت زیادہ ہے، اس لیے حق تعالیٰ نے اس کی زبان کو عام جانوروں کی زبان سے ممتاز پیدا فرمایا اور اس کو اظہار مقصد کے لیے لغات کی بڑی مقدار اور بیان کے طریقے سکھلائے اور اس کی لغت کو اتنی وسعت عطا فرمائی کہ ایک انسان اپنے مقصد کو مختلف الفاظ اور مختلف عنوانات سے ادا کر سکتا ہے، اسی نعمت کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا خَلَقَ الاِنسَانَ عَلَّمَہُ البَیَان یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو

پیدا کیا اور اس کو بیـان کے طریقے سکھلائے، اس میں زبان سے، قلم سے، اشاروں سے وہ اپنے مقـاصد کو بلکہ دقیق علمی مضـامین کو بھی مختلف طریقوں کے سـاتھ دوسروں کو سمجھانے میں تمـام حیوانات سے خصوصی امتیاز رکھتا ہے، اسی لیے حق تعـالیٰ نے انسانی لغـات اور ان کے اختـلاف کو اپنی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں شمـار فرمایا ہے۔(مقدمہ المنجد)

حضرت مفتی صاحبؒ مختلف زبانوں کی تخلیق کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السـلام کو اول ہی مختلف زبانیں اور لغات سکھلائے تھے، عربی، فارسی، سریانی، عبرانی، رومی وغیرہ اور وہ ان سب زبانوں میں کلام کرتے تھے، ان کی اولاد میں بھی یہ سب زبانیں رائج رہیں، پھر جب ان کی اولاد میں بھی یہ سب زبانیں رائج رہیں، پھر جب ان کی اولاد دنیـا کے مختلف گوشوں میں پھیلی تو ہر ایک نے ان زبانوں میں سے ایک زبان کو اپنـا لیا وہ ہی ان کی پوری قوم وملک کی زبان ہو گئی(البلغہ)

اور اس میں بھی کوئی استبعاد نہیں کہ حضرت آدم علیہ السـلام کو صرف ایک ہی زبان سکھائی گئی ہو اور وہ ایک ہی زبان بولتے ہوں، پھر اولاد کے مختلف خطوں میں پھیلنے اور نسلیں بڑھنے کے بعد اسی زبان میں مختلف قسم کے ایسے تغیرات پیـدا ہو گئے ہوں جن سے ہر ایک زبان ایک الگ لغت بن گئی جیسا کہ موجودہ دنیـا کے مختلف خطوں کو زبانوں پر نظر ڈالنے سے اس کا مشاہدہ ہوتا ہے، جب دو مختلف زبانوں کے بولنے والے جمع ہو جـائیں تو رفتہ رفتہ ان دونوں کے امتزاج سے ایک تیسری زبان پیدا ہو جاتی ہے، جیسے اپنے ملک میں فارسی اور ہندی کے امتزاج نے اردو زبان کو جنم دے دیا۔

اور یہ قیاس ان عـلاقوں میں اور بھی زیادہ محسوس ہوتا ہے جو دو مختلف زبان والوں کی سرحد پر واقع ہیں اور دونوں زبانوں کے کچھ اثرات قبول کرتے ہیں۔

ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو جو لغت اور زبان سب سے پہلے جنت میں بصورت تعلیم اسماء سکھائی گئی، روایات اس پر متفق ہیں کہ وہ عربی زبان تھی، اس کے ساتھ دوسری زبانوں کی تعلیم بھی دی گئی تھی یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ جنت میں آدم علیہ السلام کی زبان عربی ہی تھی، پھر ان سے شجر ممنوعہ کے کھانے میں لغزش ہوئی تو یہ زبان سلب کرلی گئی، سریانی زبان بولنے لگے، پھر توبہ قبول ہونے کے بعد واپس کردی گئی اور یہی عربی زبان وہ دنیا میں بولتے تھے۔

غرض انسان کی پیدائش سے پہلے زمین پر جنات شیاطین میں کوئی دوسری زبان ضرور رائج ہوگی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی سب سے پہلی زبان عربی زبان ہے اور اس کا تمام اہل جنت کی زبان ہونا معتبر حدیث سے ثابت ہے، حدیث میں ہے

أَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ: لِأَنِّي عَرَبِيٌّ وَالْقُرْآنَ عَرَبِيٌّ وَكَلَامَ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ

(رواہ حاکم فی المستدرک والبیہقی فی الشعب والطبرانی فی الکبیر ووضع علیہ فی الجامع الصغیر علامۃ الصحیح)

عربی زبان سے تین وجوہ کی بناء پر محبت کرنی چاہیے، ایک یہ کہ میں (یعنی رسول کریم ﷺ) عربی ہوں، دوسرے قرآن عربی میں ہے، تیسرے اہل جنت کی زبان عربی ہوگی۔

اور ظاہر روایات سے تمام آسمانی فرشتوں کی زبان کا بھی عربی ہونا معلوم ہوتا ہے، نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ برزخ (قبر) میں بھی فرشتوں کا سوال وجواب سب عربی میں ہوگا۔

اور شیخ السنہ جلال الدین سیوطیؒ نے اتقان میں ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آسمانی کتابیں اور صحائف جتنے بھی نازل ہوئے ان کی اصل زبان عربی تھی، انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں کی زبان میں اس کا ترجمہ کرکے ان کو پہنچایا ہے، ان میں سے صرف قرآن ایسی کتاب ہے جو اپنی اصلی زبان یعنی عربی میں باقی ہے۔

قرآن کریم نے جہاں اس کا ذکر کیا ہے کہ دنیا کی ہر قوم کے لیے ہدایت اسی کی زبان میں بھیجی گئی ہے وہاں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ہر قوم کا رسول اور پیغمبر اسی قوم کا ہم زبان بھیجا گیا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ ہر قوم کی کتاب اس کی زبان میں بھیجی گئی۔

وَمَا اَرسَلنَا مِن رَّسُولٍ الَّا بِلِسَانِ قَومِہٖ یعنی ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا ہے۔

خود قرآن کریم کی آیات اس پر شاہد ہیں کہ بعض آیات قرآنی پچھلی کتابوں میں بھی موجود تھیں، ارشاد ہے

إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى (۱۸) صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى (۱۹)

یعنی یہ آیت پچھلے صحیفوں میں یعنی ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحائف میں بھی موجود ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّہٗ لَفِی زُبُرِالاَوَّلِینَ یعنی قرآن کریم پچھلی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

ظاہر اس کا یہی ہے کہ یہ آیات قرآن انہیں الفاظ قرآنی کے ساتھ پچھلی کتابوں میں موجود تھیں اور یہ قرینہ اسی کا ہے کہ ان کتابوں کی اصلی زبان عربی ہی تھی، عبرانی وغیرہ زبانوں میں انبیاء علیہم السلام نے ترجمہ کر کے اپنی اپنی قوموں کو پہنچایا۔

اور کعب احبار جو علماء یہود میں سے تھے پھر مسلمان ہوگئے، ان کا قول تفسیر بحر محیط میں سورۃ انعام کی آیت ۱۵۱، تا ۱۵۴ کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ یہی آیات ہیں جن سے تورات اس طرح شروع ہوتی ہے،

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ قُل تَعالَوا اُتلُ مَاحَرَّمَ رَبُّکُم عَلَیکُم اَلَّاتُشرِکُوا بِہٖ شَیئًا(الی آخرالآیہ)

اس سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بعینہ تورات میں مذکور تھے۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ صرف قرآن نے تمام اقوام عالم کے علماء اور بلغاء وفصحاء کو مخاطب کر کے یہ چیلنج دیا ہے کہ جو شخص اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک کرتا ہے وہ اس

کی ایک چھوٹی سی سورت کے مقابلے میں کوئی کلام بنالائے اور سارے عرب کے فصحاء وبلغاء جو اسلام اور قرآن کی مخالفت میں اپنی مال واولاد، آبرو سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھے اس چیلنج کے جواب سے بالکل عاجز اور قاصر رہے، وجہ یہ تھی کہ قرآن کے صرف معانی ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ اس کے نظم الفاظ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، جس کا مثل بنانے پر کوئی مخلوق قادر نہیں ہو سکتی ہے اور قرآن کریم کے نسخ وفسخ اور تمام جعلسازیوں سے قیامت تک محفوظ رہنے کا بھی یہی راز ہے، اس کے معانی اور الفاظ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو مخلوق کی ہر دسترس سے بالاتر ہیں، پچھلی کتابیں تورات وانجیل اور صحف موسیٰ وابراہیم علیہما السلام مسخ وتحریف سے محفوظ نہ رہ سکی، اس کی بھی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ ان کے معانی اگرچہ حق تعالیٰ کی طرف سے تھے مگر الفاظ انبیاء علیہم السلام کے تھے۔

ان تمام روایات سے اگر یہ نتیجہ نکالا جائے تو کوئی مبالغۃ نہیں معلوم ہوتا کہ جس طرح ہر حکومت کی کوئی ایک دفتری زبان اور لغت ہوتی ہے، حکومت الٰہیہ کی دفتری زبان عربی ہے کہ سب سے پہلے انسان کو وہی سکھائی گئی اور بالآخر جنت میں پہنچ کر تمام انسانوں کی زبان وہی ہو جائے گی، بلکہ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہی برزخ کا پہلا امتحانِ داخلہ اسی زبان میں ہوگا، آسمانی حکومت کے تمام کارگزار فرشتوں کی بھی یہی زبان ہے، آسمانی کتابیں بھی اسی زبان میں نازل ہوئیں، عربی زبان کی فضیلت وشرافت کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا کوئی شہادت ہو سکتی ہے۔

عربی لغت کی سب سے بڑی فضیلت تو یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام قرآن اسی زبان میں نازل ہوا، امام الانبیاء سید الاولین والآخرین ﷺ کی زبان عربی ہے، اہل جنت کی بلکہ تمام کارپردازن حکومت الٰہیہ کی زبان عربی ہے، آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی زبان بھی اصل عربی ہے، اس کے علاوہ عربی زبان کی فصاحت وبلاغت اور اس کی وسعت وسہولت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زبان کا انتخاب ہی اس لیے فرمایا ہے کہ وہ کل دنیا کی زبانوں کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے بہتر اور افضل ہے۔(مقدمہ المنجد)

استاذ ابو منصور نے فرمایا کہ اس زبان کی اصل ابتدا تو انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھلا کر فرمادی تھی اور دوسری زبانیں طوفانِ نوح کے بعد ان کی اولاد کے دنیا کے مختلف خطوں میں آباد ہونے کے بعد شروع ہوئیں، قرآن کریم کا عربی میں ہونا اس کی سب سے بڑی شہادت ہے کہ عربی زبان سب زبانوں سے مقدم ہے کہ کلام ازلی اس میں نازل ہوا اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے جو یہ منقول ہے کہ عربی زبان سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے شروع ہوئی تھی، اس کا مطلب تاریخ وروایات کی شہادتوں کی بناء پر یہی ہے کہ قریش کی خاص عربی زبان جس میں قرآن نازل ہوا ہے اس کا چرچہ اور دنیا میں رواج حضرت اسماعیل علیہ السلام سے شروع ہوا ورنہ اصل عربی زبان تو اول ہی حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائی گئی تھی جس کو لے کر وہ دنیا میں تشریف لائے اور پھر ان کی اولاد میں باقی رہی۔

البلغہ فی اصول اللغہ میں نواب صدیق حسن خان صاحب نے عبد الملک بن حبیب سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلی زبان جس کو لے کر آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے وہ عربی زبان تھی، زمانہ دراز گزرنے پر اس میں تغیر و تبدل پیدا ہو کر سریانی زبان پیدا ہو گئی اور یہ زبان ارض سودنہ یعنی جزیرہ کی طرف منسوب ہے جو طوفان نوح سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا مسکن تھا، کہا جاتا ہے کہ سریانی زبان عربی زبان سے بہت ملتی جلتی زبان تھی اور بوقت طوفان حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں جتنے آدمی سوار تھے ان سب کی یہی زبان تھی، صرف ایک آدمی جسے جرہم کہا جاتا تھا اس کی زبان ان سے مختلف یعنی خالص عربی زبان تھی۔

کشتی نوح علیہ السلام سے اترنے کے بعد نوح علیہ السلام کے پوتے ارم نے جرہم کی لڑکی سے شادی کر لی، اس لڑکی کی زبان خالص عربی تھی، یہاں سے ان کی نسل میں پھر

خالص عربی زبان کا رواج ہو گیا، ان کی اولاد میں عوض اور جائز پیدا ہوئے، عوض کی اولاد میں عاد اور عبیل ہوئے اور جائز کی اولاد میں قبیلہ ثمود اور جدیس اور بھی قبائل عرب کے قدیم قبائل تھے جن کی زبان عربی تھی۔(البلغہ)

اس سے معلوم ہوا کہ قبیلہ جرہم جس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پھر بذریعہ الہام عربیہ خالصہ سکھلا دی اور ان کی نسل میں عربیہ خالصہ کا رواج ہوا جو قریش کی زبان تھی اور جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔

حضرت جابرؓ کی ایک روایت اس کی شاہد ہے، انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے آیت قُرآنًا عَرَبِیًّا کی تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ عربیہ خالصہ جس میں قرآن نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سکھلا دی تھی، اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں نقل کر کے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، نیز یہ بیہقی نے شعب الایمان میں بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

ابن دحیہ کہتے ہیں کہ قبائل عرب مختلف اقسام ہیں، ایک عرب عاربہ، دوسرے عرب متعربہ، تیسرے مستعربہ، عرب عاربہ خالص عرب ہیں جس کے نو قبائل ہیں جو ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں، وہ نو قبائل یہ ہیں، عاد، ثمود، امیم، عبیل، طسم، جدیس، عملیق، جرہم، دبار۔

اور عرب متعربہ اور عرب مستعربہ دونوں وہ لوگ ہیں جو خالص عرب نہیں، دوسری قوموں کے امتزاج سے پیدا ہوئے، عرب متعربہ قحطان کی اولاد ہیں، جن کی اصل زبان سریانی تھی، بعد میں یمن ان کا وطن ہو گیا تھا، وہاں بنو اسماعیل سے انہوں نے عربی زبان سیکھی اور وہی رواج پا گئی۔

اور عرب مستعربہ، عرب حجاز ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں جن کو بنی معد بن عدنان بن ادّ کہا جاتا ہے چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اصل عربی تھے اور نہ ان کی آبائی زبان عربی تھی، اس لیے ان کی اولاد کو عرب مستعربہ کہا جاتا ہے۔

ابن لسان نے فرمایا کہ سب سے پہلا وہ آدمی جس نے اپنی آبائی زبان کو بھلا کر عربی زبان بولی وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تمام عرب اسماعیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، مگر صحیح اور مشہور یہ ہے کہ عرب عاربہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے ہیں جن کے قبائل عاد، ثمود، جدیس، امیم، جرہم، عملیق وغیرہ ہیں، جو حضرت خلیل اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے تھے اور ان کے زمانے میں بھی موجود تھے، البتہ عرب حجاز جن کو عرب مستعربہ کہاجاتا ہے یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذریت ہیں۔ (مقدمہ المنجد)

اسی طرح عرب یمن اور حمیر بھی اولاد اسماعیل علیہ السلام سے نہیں بلکہ مشہور یہ ہے کہ وہ قحطان کی نسل سے ہیں۔

رسول کریم ﷺ سے ایک حدیث شیرازی نے القاب میں نقل کی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ سب سے پہلے عربیت خالصہ پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان کھلی، جب کہ ان کی عمر چودہ سال کی تھی۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اور ابو احمد عطریف نے اپنے جزء میں روایت کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ ہم سے زیادہ فصیح ہیں، حالانکہ آپ کی بود وباش ہمیشہ ہمارے ہی اندر رہی، کہیں باہر جاکر کوئی تعلیم حاصل نہیں کی، آپ نے فرمایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اصل زبان منداس ہوگئی تھی، جبریل علیہ السلام نے آکر وہ اصل زبان مجھے یاد کرادی ہے، میں نے یاد کرلیا۔ (البلغۃ)

اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بروایت ابورافع نقل کیا ہے کہ

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جس طرح حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کی تعلیم دی تھی مجھے بھی تمام اسماء کی تعلیم دی تھی۔(مسند الفردوس بحوالہ مقدمہ المنجد)

عربی زبان کی وسعت کے زیر عنوان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ جو قرآن وسنت کے بے مثل عالم وفقیہ اور تقریباً آدھی دنیا کے امام ومتبوع ہونے کے ساتھ ادب اور لغت کے بھی ماہر امام ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ عربی زبان تمام زبانوں میں وسیع تر زبان ہے اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس زبان کے پورے لغات کا احاطہ سوائے نبی کے کوئی نہیں کر سکتا۔(مقدمۃ المنجد)

ابن درید نے جمہرہ میں اور خلیل نے کتاب العین میں جو کچھ اپنی معلومات اور یادداشت سے لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عربی زبان کے کل لغات پانچ کروڑ چھ لاکھ انسٹھ ہزار چار سو ہیں، جن میں پانچ کروڑ چھ لاکھ بیس ہزار مستعمل اور باقی مہمل ومتروک ہیں۔

پھر ان میں دو حرفی کلمات کی تعداد سات سو پچاس اور تین حرفی کلمات کی انیس ہزار چھ سو پچاس ہے اور چار حرفی کلمات تین لاکھ تین ہزار چار سو ہیں اور پانچ حرفی کلمات چھ کروڑ تین لاکھ پچھتر ہزار چھ سو ہیں، یہ سب تفصیل علامہ زبیدی نے مختصر کتاب الخلیل میں اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے مزہر میں مزید تشریحات کے ساتھ نقل کی ہیں۔

عربی لغت کی بے مثال وسعت کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں ایک چیز کے بہت سے نام اور بہت سی لغات پائی جاتی ہیں، ایک ہی مفہوم کو سینکڑوں عنوانات اور الفاظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، علماء لغت نے ایسے لغات کو مستقل کتابوں میں بھی جمع کر دیا ہے، تیر، تلوار اور نیزہ، شیر، اونٹ، بکری، سانپ، صبح وشام، آفات ومصائب جن کا ذکر عام طور پر کلام میں بار بار آتا ہے، ان کے لیے ایک ایک لفظ کے اتنے لغت ہیں کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔

ابن خالویہ کہتے ہیں کہ میں نے عربی لغت سے شیر کے پانچ سو نام جمع کیے ہیں اور سانپ کے دو سو اور حمزہ اصبہانی نے مصائب وآفات کے چار سو نام لغت عرب میں جمع کرکے فرمایا اِن تَكَاثُرَ اَسمَاءُ الدَّوَاءِ حی من الدوا ھی یعنی مصائب کے نام بہت ہونا بھی مصائب ہی ہیں۔

عربی زبان میں اول تو لغات کی اتنی بڑی کثرت جس کا نمونہ آپ دیکھ چکے ہیں، پھر اعراب اور اشتقاق کے بدلنے سے ایک ایک لفظ میں دس دس معنٰی پیدا ہو جاتے ہیں، اس کے علاوہ مجازات، استعارات، تمثیل وتشبیہ اور کنایات کے ان خاص طریقوں نے جن کو عرب نے اختیار کیا ہے اس زبان کو اور بھی زیادہ وسیع اور سہل وشیریں بنا دیا ہے۔

کلام میں ایجاز واطناب یعنی طول واختصار بھی عرب کے کلام میں ایک حیرت انگیز صنعت ہے کہ اگر اختصار کرنا چاہیں تو بڑے سے بڑے کلام کو صرف ایک یا دو حرف سے ادا کریں اور طول دینا چاہیں تو چھوٹی سے چھوٹی بات کو ایک خطبہ اور مقالہ بنا دیں۔

الفاظ وکلمات کے بجائے ضمیروں سے کام لینا بھی عربی کی خصوصیات میں سے ہے، جس میں اختصار کے علاوہ اور بہت سے فوائد ہیں، اسی قسم کی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے قرآن کریم نے عربی زبان کی صفت میں بِلِسَان عَرَبِی مُبین فرما کر صفت بیان میں اس زبان کا دوسری زبانوں سے بہتر اور افضل ہونا متعین فرما دیا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو بیان ہی وہ صفت ہے جس پر کسی زبان کی خوبی وخرابی کو پرکھا جا سکتا ہے کیونکہ لغت وزبان کا مقصد ہی اپنے دل کی بات کا اظہار وبیان ہے تو جو لغت اسی اظہار وبیان کے اعتبار سے اکمل ہوگا وہی سب لغات میں بہتر وافضل قرار پائے گا، عربی زبان کی انہیں بے مثال خصوصیات کی بناء پر بعض حضرات نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ قرآن کا ایسا ترجمہ جو قرآن کے پورے پورے مفہوم کو ادا کر دے کسی دوسری زبان میں ممکن نہیں، جیسے تورات وانجیل وغیرہ آسمانی کتابوں کے ترجمے سریانی اور عبرانی زبانوں سے دوسری زبانوں میں کیے گئے ہیں اور ان کی ان زبانوں کو تورات وانجیل سمجھا گیا ہے،

قرآن میں اس کا امکان نہیں، قرآن کریم کے جتنے ترجمے فارسی، اردو، انگریزی وغیرہ میں کیے گئے وہ محض اہل عجم کی ضرورت کے پیش نظر قرآنی مضامین سے ادنیٰ سی مناسبت پیدا کرنے کے لیے ہیں، قرآن کے پورے مضمرات سے آگاہی اور اس کے حقائق ومعارف کا علم ان ترجموں سے قطعاً ناممکن ہے۔ (مقدمہ المنجد)

حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

اسی وجہ سے علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا صرف ترجمہ متن قرآن سے علیٰحدہ شائع نہ کیا جائے کیونکہ لوگ اس کو اردو یا انگریزی کا قرآن کہیں گے حالانکہ اس کو قرآن کہنا کسی حیثیت سے صحیح نہیں،

اول تو اس لیے کہ الفاظ قرآن حقیقت قرآن کے جزء ہیں، قرآن نام ہے الفاظ اور معانی کے مجموعے کا،

دوسرے اس لیے معانی قرآن بھی کسی دوسری زبان میں پورے پورے منتقل نہیں کیے جاسکتے، اس لیے معنیٰ کی حیثیت سے بھی قرآن کے اردو یا فارسی یا انگریزی ترجمہ کو قرآن کہنا صحیح نہیں، اسی لیے سلف صالحین نے جب بضرورت عوام قرآن کے ترجمے مقامی زبانوں میں لکھے تو اس کا التزام کیا کہ ترجمہ متن قرآن سے علیٰحدہ نہ ہو۔

عربی زبان کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی خاص اہمیت رکھتی ہے کہ تکلم اور تلفظ کی آسانی کا بڑا لحاظ رکھا گیا ہے اس کو چند مثالوں سے سمجھیے،

جس کلمہ میں دو حرفوں کے اجتماع سے تکلم میں صعوبت یا سختی پیدا ہوسکتی ہے وہاں عرب نے اس کا التزام کیا ہے کہ کہیں ایک حرف کو اس کے مناسب حرف سے بدل دیا، کہیں حرف ساکن پر کوئی مناسب حرکت دے دی، کہیں کسی حرف کو حذف کر دیا، مثلاً لفظ قَوْلٌ کی ماضی قَوَلَ ہوتی ہے، سہولت کے لیے واوَ کو الف سے بدل کر قَالَ کر دیا، اس کا مضارع یَقْوُلُ ہوتا ہے جو زبان پر ثقیل ہے، یہاں واوَ کی حرکت قاف پر ڈال کر یَقُولُ کر دیا، وَعَدَ کا اسم ظرف مِوعَادٌ ہوتا ہے، واوَ کو یا سے بدل کر مِیعَادٌ کر دیا۔

عـام عجمی زبانوں میں دو دو تین تین بلکہ اس سے بھی زیادہ سـاکن حرف جمع ہوتے ہیں جس کا ادا کرنا زبان پر نہایت مشکل گزرتا ہے اور اسی لیے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کے آخری حرف زبان سے ادا بھی نہیں ہوتے، عربی زبان میں اس کی خاص رعایت رکھی گئی ہے کہ جہاں دو حرف سـاکن کے اجتماع سے ثقل پیدا ہوتا ہے وہاں کچھ نہ کچھ قلب وابدال کا عمل کر کے آسـان کر دیا گیا ہے۔ (مقدمہ المنجد)

عربی زبان کی حفاظت۔ عربی زبان کی قدرتی طور پر حفاظت کی گئی ہے ورنہ دنیا کی دوسری زبانیں وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں مگر عربی زبان میں ردوبدل نہیں ہوا، اس کی قدرتی طور پر حفاظت کی گئی ہے،

حضرت مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں کہ

دنیـا کی عـام زبانیں زمانہ کے سـاتھ سـاتھ بدلتی رہتی ہیں، ایک صـدی کے بعد اس پہلی صـدی کی زبان متروک ہوجـاتی ہے، روز مرہ کے لغات اور ان کے تلفظ میں فرق ہوتاجـاتا ہے، کچھ دوسری زبانوں کے اختلاط سے اچھی یا بری تبدیلیاں ہوتی ہیں اور اس زمانہ کی وہی زبان فصیح سمجھی جـاتی ہے جو اس وقت بولی جارہی ہے، فارسی قدیم کا موازنہ فارسی جدید سے کیجیے، یا اردو قدیم کا اردو جدید سے تو ایسا نظر آئے گا کہ یہ زبان ہی دوسری ہے، اسی طرح عـام بول چال کی عربی جو آج کل حجـاز اور دوسرے عرب ممالک میں بولی جـاتی ہے، وہ قدیم قرآنی عربی سے اتنی مختلف ہے کہ ان دونوں کو ایک زبان کہنا مشکل نظر آتا ہے۔

اگر عربی زبان سے مسـلمانوں کا تعلق صرف اتنـا ہی ہوتا کہ وہ ایک مسـلم برادری کی زبان ہے تو آج دوسری قدیم زبانوں کی طرح قدیم عربی بھی متروک اور بے نام ونشان ہوجـاتی۔

لیکن مسـلمان عربی زبان کا صرف اس لیے دلدادہ نہیں کہ اس کو اس زبان میں اپنے عربی بھائیوں سے بول چال اور مراسلت کا تعلق رکھنا ہے بلکہ اس کے لیے عربی

زبان کی دل بستگی اور اس کے احترام وتقدس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی زبان عربی ہے، رسول کریم ﷺ کی احادیث کا متن عربی میں ہے، اس لیے اسلام کی اساس وبنیاد عربی زبان پر قائم ہے اور اسی وجہ سے تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ عربی زبان کی حفاظت اور اس کے سیکھنے سکھانے کا سلسلہ ہمیشہ قائم رکھنا اسلامی فرائض میں سے ایک اہم فرض ہے۔

جوہری نے صحاح کے شروع میں لکھا ہے کہ

عربی ہی وہ لغت ہے جس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے بلند فرمایا اور دین ودنیا کے علم کو اس کے ساتھ وابستہ فرمادیا، اور شیخ السنہ علامہ سیوطیؒ نے مزہر میں فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ لغت عربی کا سیکھنا اور معلوم کرنا دین کی ضروریات میں داخل اور ایک فرض کفایہ ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے درس قران دینے پر یہ پابندی لگائی ہوئی تھی کہ وہ عربی لغت سے پورا واقف ہو اور مفسر القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جب تمہیں قرآن کے کسی لفظ میں اشکال پیش آئے تو اشعار عرب میں اس تلفظ کو تلاش کرو کیونکہ عربی زبان کی تعبیر اور اس کے معانی کی تعیین کے لیے اشعار عرب ہی معیار ہیں۔
اور بعض اہل علم نے دو شعروں میں عربی زبان کی ضرورت اور فضیلت کو اس طرح بیان فرمایا ہے

حِفظُ اللُّغَاتِ عَلَينَا   فَرضٌ كَفَرضِ الصَّلٰوةِ
فَلَيسَ يُضبَطُ دِينٌ   اِلَّا بِحِفظِ اللُّغَاتِ

یعنی لغات عربی کا یاد کرنا نماز کی طرح ایک فرض ہے کیونکہ کسی دین کو بغیر حفظ لغات کے محفوظ نہیں رکھا جاسکتا اور امام ثعلب نے اپنی امالی میں فرمایا کہ
فقیہ کو عربی لغت کے علم کی شدید ضرورت ہے۔

ان روایات سے عربی زبان کی حفاظت اور اس کو سیکھنے اور یاد رکھنے کا فرض کفایہ ہونا تو معلوم ہو گیا اور سی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ عربی جس کی حفاظت اسلامی فرض ہے وہ وہی قدیم عربی ہے جس میں قرآن نازل ہوا، اور جس میں رسول کریم ﷺ کی احادیث وسنن ہم تک پہنچی نئ عربی میں کوئی کتنی ہی مہارت حاصل کرلے وہ اس فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ جاہلیت عربی کی زبان کو محفوظ رکھے کیونکہ اسی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اور اسی کے ذریعہ قرآن کے معانی صحیح معلوم ہو سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ عربی لغت کے جمع کرنے والے مصنفین نے اس کی رعایت رکھی ہے کہ دوسری زبانوں کے اختلاط سے اصل قرآنی زبان کا مخلوط ہو کر اشتباہ میں نہ پڑ جائے، لغت عربی کی تصنیف وتدوین کرنے والوں نے عرب کے صرف ایسے قبائل کے لغت کو بنیاد اور عمود بنایا ہے جن کا اختلاط دوسری زبان والوں سے نہ تھا، کوفہ، بصرہ کے علاوہ کسی شہر کی زبان کو اسی لیے سند نہیں مانا کہ ان شہروں میں عجمی زبانوں میں اعتبار نہیں کیا، صرف ان عرب عرباء کی زبان سے عربی لغت کو مدون کیا ہے جو نسل اور زبان کے اعتبار سے خالص عرب تھے اور ان میں بھی زیادہ تر قریشی قبائل ہیں۔ (مقدمۃ المنجد)

اہل علم کی ان تحقیقات وفرمودات سے عربی زبان کی اہمیت وافادیت اچھی طرح ہمیں معلوم ہو گئی کہ عربی زبان کی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک کیا اہمیت وافادیت ہے، اور اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں اپنی سب سے مقدس اور پاکیزہ کتاب کیونکر نازل فرمائی، اس زبان میں کس قدر وسعت ہے، اس زبان میں کس قدر مٹھاس اور چاشنی ہے، اس زبان میں کس قدر گہرائی اور گیرائی ہے۔

❂❂❂